بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداً ومصلیاً

عکسِ دروں

سلسلۂ مضامین	عنوانِ مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
صدائے حسن	وطن عزیز کی زبوں حالی..... حکمرانوں کی نالائقی یا اللہ تعالیٰ سے دوری؟	اداریہ	3
حالاتِ حاضرہ	نفس کا اتباع..... پریشانی اور ناکامی کا سبب	مولانا عاطف شاہ	6
اسلامی زندگی	انا پرستی	پروفیسر معراج خان	9
	آفاتِ صبر (سینتیسویں قسط)	مولانا ابو محمد حسان شاہ	11
	اذان، پوری دنیا میں مسلسل گونجنی والی عظیم دعوت	مفتی محمد اسماعیل نیاز	15
	سیرت النبی ﷺ (خدمتِ خلق)	متعلم: راہب شاہ	20
تحقیقی مضامین	نبی کریم ﷺ بطورِ سپہ سالار (پہلی قسط)	مفتی محمد فہیم اللہ	27
بیاناتِ جمعہ	تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک کا شرعی حکم	مفتی غلام اللہ صاحب	37
	دین خیر خواہی ہے	======	43
دارالافتاء	متبنّٰی (لے پالک بیٹے) کا حکم	مفتی حمید اللہ جان	47
تذکرۂ اکابرینِ ما	ملک وملت کا اندوہناک سانحہ.....مفتی محمد رفیع عثمانی کی رحلت	حضرت مولانا عزیز الرحمٰن استاد حدیث دارالعلوم کراچی	49
بزمِ طلبہ	اُستاد ہمیشہ اُستاد ہوتا ہے	متخصص: عبداللہ حیات	53
اخبار جامعہ	جامعہ کے شب وروز	مولانا امجد علی حقانی	55

زرِ سالانہ اندرونِ ملک: 300 روپے۔ زرِ سالانہ بیرونِ ملک: 20 ڈالر
ای میل ایڈریس: Muftifahim@gmail.com // atifshah336@gmail.com
ویب ایڈریس: www.alhasan.org
اکاؤنٹ نمبر: میزان بینک: 8101.0100843213 // MCB: 0284.1002564

(صدائے حسن)

وطن عزیز کی زبوں حالی
حکمرانوں کی نالائقی یا اللہ تعالیٰ سے دوری؟

مفتی محمد فہیم اللہ (مدیر ماہنامہ ندائے حسن)

بچپن سے سکول کی مختلف کتابوں میں یہ عنوان پڑھنے کو ملتا تھا کہ ''قیام پاکستان کے بعد پاکستان کو درپیش مسائل کون سے تھے اور پاکستان نے ان مسائل پر کیسے قابو پالیا''۔

یہ عنوان کتابوں میں پڑھتے وقت نہ دل دُکھتا تھا اور نہ کچھ خاص احساسِ زیاں ہوتا تھا، اس لیے کہ بس ماضی کا ایک واقعہ تھا جو گزر چکا، لیکن اس کے برعکس گزشتہ کئی سالوں سے وطنِ عزیز جن بحرانوں سے دوچار ہے اور ہر گزرنے والے دن کے ساتھ ان بحرانوں میں جو اضافہ ہو رہا ہے، اس پر دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ سمجھ نہیں آ رہا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم چھہتر سال گزرنے کے باوجود زوال کی جانب گامزن ہیں، حالانکہ ہمارے پڑوس کے ممالک ہم سے کئی گنا کمزور ہونے کے باوجود ہم کو پیچھے چھوڑ کر ترقی کی منزلیں طے کرنے لگے ہیں۔

ایک طرف وطنِ عزیز کی زبوں حالی پریشان کن ہے تو دوسری طرف عوام الناس میں سے ہر ایک شخص (تعلیم یافتہ ہو یا اَن پڑھ، سیاست اور معیشت کے ابجد سے واقف ہو یا اَجڈ گنوار) کا ماہر سیاست اور معیشت دان ہونا انتہائی افسوس ناک ہے۔ ہر ایک شخص قوموں کے عروج وزوال کا تجزیہ کرنے کا ماہر بنا ہوا ہے۔ گھر ہو یا حجرہ و بیٹھک، مسجد ہو یا بازار، پبلک ٹرانسپورٹ میں بیٹھے ہوں یا کسی سرکاری اِدارے کے دفتر میں، پرنٹ میڈیا یعنی اخبارات ورسائل ہوں یا ٹی وی چینلز اور سوشل میڈیا؛ ہر ہر شخص (اپنے اپنے گمان کے مطابق) ملکی سیاست اور معیشت پر اتنی گہری نظر رکھتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ ایک طرف تھوڑی خوشی پیدا ہوتی ہے کہ چلو جو بھی ہو! پاکستانی قوم میں بھی آہستہ آہستہ سیاسی شعور پیدا ہو رہا ہے، لیکن دوسری طرف دیکھیں تو معاملہ انتہائی تشویشناک حد تک پہنچ چکا ہے، اس لیے کہ لوگ بحث مباحثہ تو کرتے ہیں، لیکن عدم برداشت اور اختلافِ رائے کی حدود نہ جاننے کی وجہ سے باہمی لڑائی جھگڑوں اور نفرتوں کے شکار ہیں۔ کچھ لوگ تو پروپیگنڈے کے

جال میں ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ نہ ماں باپ کی تمیز اور نہ بڑے بھائی یا چچا کی پہچان، حق و باطل ایسے مخلوط ہو چکے ہیں کہ ایک عام آدمی کے لیے پہچان مشکل ہو گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر شخص کی نظر میں اپنی متعلقہ سیاسی پارٹی محبّ وطن ہے اور بقیہ تمام پارٹیاں غداروں، چوروں اور مفاد پرستوں سے بھری ہوئی ہیں۔ سارا سارا دن حکمرانوں، سیاسی قائدین، مسلح افواج اور ججز پر لعن طعن کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور ان تمام خرابیوں کی جڑ طبقہ اشرافیہ کو قرار دیا جا رہا ہے کہ انہی لوگوں نے اس ملک کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔

وطنِ عزیز کی زبوں حالی میں حکمرانوں کی نالائقی اور طبقہ اشرافیہ کی بے حسی والی بات اگرچہ کافی حد تک درست ہے، جس پر کافی سارے دلائل بھی پیش کیے جا سکتے ہیں، لیکن زیرِ نظر مضمون میں اسلامی نقطہ نظر سے اس بات کی نشاندہی کی جائے گی کہ ان حالات میں ایک عام آدمی کتنا ذمہ دار ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات سے دوری ایک ریاست اور حکومت پر کیسے اثر انداز ہوتی ہے؟ ذاتی رائے پیش کرنے کے بجائے یہاں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔ نتائج آپ خود اخذ کیجیے!

حکمرانوں کے دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں:

طبرانی اور مشکوۃ المصابیح میں حدیث قدسی ہے:

عن أبي الدرداءؓ قال : قال رسول الله ﷺ : إن الله تعالىٰ يقول : أنا الله لا إله إلا أنا مالك الملك وملك الملوك ، قلوب الملوك بيدي وإن العباد إذا أطاعوني حوّلتُ قلوب ملوكهم عليهم بالرحمة والرأفة ، وإن العباد إذا عصوني حَوّلتُ قلوبهم بالسخطة والنّقمة ، فساموهم سوء العذاب ، فلا تشغلوا أنفسكم بالدعاء على الملوك ولكن اشغلوا أنفسكم بالذكر والتضرع إلي، كي أكفيكم ملوككم . (مشكوة المصابيح ، رقم : ٣٢٣، المعجم الكبير للطبراني:١٧٧٦)

ترجمہ: حضرت ابو درداءؓ نبی کریم ﷺ سے حدیث قدسی نقل فرماتے ہیں کہ: میں اللہ ہوں، میرے علاوہ کوئی معبود نہیں، میں بادشاہوں کا مالک، بلکہ بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے قبضہ میں ہیں۔ جب بندے میری فرماں برداری کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے دل ان کی طرف رحمت و شفقت کرنے کے لیے پھیر دیتا ہوں اور میرے بندے جب میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کی طرف بادشاہوں کے دلوں کو غصہ اور انتقام کے لیے متوجہ کرتا ہوں،

پس وہ ان کو سخت تکالیف میں مبتلا کر دیتے ہیں۔اس لیے خود کو بادشاہوں پر بددعا میں مشغول نہ کرو، بلکہ خود کو ذکر اور میرے سامنے عاجزی کرنے میں مشغول رکھو، تا کہ میں تمہارے بادشاہوں کے مظالم سے تم کو محفوظ رکھوں۔

پانچ خرابیاں تم لوگوں میں پیدا ہو جائیں تو...:

مستدرک حاکم کی ایک اور حدیث سے مذکورہ بالا حدیث کی مزید وضاحت ہوتی ہے:

یامعشر المهاجرين ! خمس إن ابتليتم بهن و نزل فيكم أعوذ بالله أن تدركوهن : لم تظهر الفاحشة في قوم ..... (المستدرك على الصحيحين : ٨٧٧٢)

ترجمہ: اے مہاجرین کی جماعت! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہو گے تو یہ عذاب آئیں گے اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو: (۱) جب کسی قوم میں بے حیائی کے کام کھلم کھلا ہونے لگیں گے تو ان میں طاعون اور ایسی نئی بیماریاں پیدا ہوں گی جو ان سے پہلے لوگوں میں نہیں تھیں۔(۲) اور جب ناپ تول میں کمی کرنے لگیں گے تو قحط سالی، مہنگائی اور حکمرانوں کے مظالم کے ذریعے انہیں سزا دی جائے گی۔(۳) اور جب لوگ اپنے اموال کی زکوۃ ادا نہیں کریں گے تو آسمان سے بارشیں روک لی جائیں گی، اگر زمین پر جانور نہ ہوتے تو ایسے لوگوں پر کبھی بارش نہ برستی۔(۴) اور جب لوگ اللہ اور اس کے رسول سے کیے ہوئے ہوئے عہد و پیمان توڑیں گے تو ان پر دشمن مسلط کیے جائیں گے جو اُن کی جمع پونجی لوٹ کر لے جائیں گے۔(۵) اور جب قوم کے حکمران اللہ کی نازل کردہ کتاب (یعنی قانون شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے تو اللہ انہیں آپس کی جنگوں اور لڑائیوں میں مبتلا فرما دیں گے"۔

ان احادیث مبارکہ سے یہ بات خوب واضح ہوتی ہے کہ وطن عزیز کی موجودہ زبوں حالی میں حکمرانوں کی نالائقی اور رعایا میں سے اکثریت کی اللہ تعالیٰ سے دوری (دونوں) کا بڑا دخل ہے، لہذا حکمرانوں کو گالیاں دینے کے بجائے ہمیں اپنے حصے کا عمل کرنا چاہیے اور وہ ہے: حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو بروقت اور اچھے طریقے سے نبھانا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو اور وطن عزیز کو درپیش ان مسائل سے نکلنے میں ہمارا مددگار ہو۔**وهو نعم المولىٰ ونعم النصير . ومن أحسن قولا ممن دعا إلى الله !**

(حالاتِ حاضرہ)

نفس کا اتباع..... پریشانی اور ناکامی کا سبب

مولانا عاطف شاہ

اللہ تعالیٰ نے تین مخلوق پیدا فرمائے ہیں۔ ایک مخلوق کو سراپا علم ودانش اور مجسم جود وکرم بنایا، یہ فرشتوں کا گروہ ہے، جو سوائے اطاعتِ خداوندی کے کچھ نہیں جانتا۔ اس کی ماہیت میں حرص اور خواہشاتِ نفسانی کا کوئی نام ونشان نہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو عقل ودانش سے بالکل خالی ہے، جیسے حیوان جس کا کام سوائے چرنے اور موٹے ہونے کے کچھ نہیں۔ جو سعادت اور شقاوت سے بالکل بے خبر ہے۔ تیسرا گروہ انسان ہے کہ جس میں عقل بھی ہے اور شہوت بھی۔ عقل ملکیت کا تقاضا ہے، جبکہ شہوت حیوانیت کا۔ گویا کہ ملکیت اور حیوانیت سے مل کر بنا ہے۔ حیوانیت کی وجہ سے سفلیات کی طرف مائل ہے اور ملکیت کی وجہ سے علویات کی طرف۔

پہلے دونوں گروہ یعنی فرشتے اور حیوانات نفس اور شیطان کے مجاہدے اور مقابلے سے فارغ ہیں، مگر یہ تیسری قسم یعنی انسان عقل اور شہوت کی مخالفت سے ہر وقت ایک عذاب میں مبتلا ہے۔ ان دو حصوں (عقل اور شہوت یا ملکیت اور حیوانیت) میں باہمی جنگ اور کشمش ہوتا ہے، کبھی ایک غالب آتا ہے تو کبھی دوسرا۔ پس اگر اس امتحان میں عقل غالب آگئی اور حیوانیت مغلوب ہوگئی تو پھر یہ شخص ملائکہ سے بھی افضل وبہتر ہے کہ باوجود حیوانی وشہوانی موانع کے عقل کو ترجیح دی۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ﴾(البینۃ :۷)

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، وہ بے شک ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔

اور اگر شہوت وحیوانیت غالب آگئی اور عقل وملکیت مغلوب ہوگئی تو پھر یہ شخص حیوانات سے بھی بدتر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ﴾(الاعراف:۱۷۹)

ترجمہ: وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔

قارئینِ کرام ! اگر ہم اپنے نفس اور ماحول پر نظر رکھ کر غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اگر چہ معاشرے میں نیک اور صالح اور خداترس لوگ کسی حد تک موجود ہیں، لیکن زیادہ تر وہ لوگ نظر آئیں گے، جو خواہش اور نفس پرستی کی وجہ سے مختلف قسم کی گناہوں میں مبتلا ہیں۔ جاہل تو درکنار، بلکہ اچھے خاصے لکھے پڑھے لوگ بھی نفس وشیطان کے شکار اور شکست خوردہ نظر آتے ہیں۔

چنانچہ چند دنوں پہلے یعنی 21 / جنوری 2023ء کو ڈھیری زرداد ضلع چارسدہ میں پولیس کی چوکی پر فائرنگ کیا گیا، جس کے نتیجے میں چند پولیس اہل کار شہید ہوئے۔ اسی طرح بروزِ پیر 30 جنوری 2023ء کو پشاور پولیس لائنز کی مسجد میں بوقتِ نمازِ ظہر ایک اندوہناک واقعہ پیش آیا، جس کے نتیجے میں امام مسجد سمیت سو سے زائد پولیس افسران واہل کار شہید ہوئے، جبکہ بہت سارے پولیس اہل کار تا حال زخمی ہونے کے باعث ہسپتالوں میں زیرِ علاج ہیں۔ ان جیسے واقعات کی جتنی بھی مذمت کی جائے، کم ہے۔

قارئینِ کرام! یہ تو وہ واقعات ہیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، نا جانے کتنے واقعات ایسے ہوں گے، جو ہمارے آنکھوں سے اوجھل ہوں، لیکن اگر دیکھا جائے تو ان جرائم کا مرجع خواہش پرستی، دینی تعلیمات سے دوری یعنی جہالت اور نفس وشیطان کا اتباع ہے۔

دوسری طرف اگر موجودہ حالات کا جائزہ لیں تو ہر طرف افراتفری، انتشار، معاشی عدم استحکام، کمر توڑ مہنگائی، جانی ومالی عدم تحفظ، حقوق کی پامالی، طوفانی سیلاب اور زلزلے وغیرہ؛ ان تمام برے حالات کی وجہ اللہ سے دوری، لاتعلقی، بے راہ روی، نفس پرستی اور حیوانی تہذیب وتمدن کے علاوہ کچھ نہیں۔

ایک صحابہ کی جماعت تھی، جو اوصافِ حمیدہ کے ساتھ متصف تھی، مادیات سے دور تھے، لیکن ان کا ایمان بڑا مضبوط تھا۔ نفس پرستی، لالچ اور خودغرضی سے کوسوں دور تھے۔ انہوں نے ایثار وقربانی، للّٰہیت، خداترسی، غمخواری اور ہمدردی کی ایسی مثال قائم کی، جو رہتی دنیا تک یاد رکھی جائے گی۔

لہذا اگر ہم دنیا وآخرت میں کامیابی کے خواہاں ہوں تو نفس وشیطان کے اتباع کو چھوڑنا پڑے گا اور صحابہ کرامؓ کے اوصافِ حمیدہ اور سنت پر مبنی اعمال کو اختیار کرنا ہوگا۔

﴿اسلامی زندگی﴾

انا پرستی

تحریر: معراج خان (پروفیسر) میرزئی

اللہ تعالی نے اپنی مخلوقات میں حضرت انسان کو "اشرف المخلوقات" کے امتیازی شرف سے نوازا ہے۔ مگر اپنی نیرنگِ فطرت، اپنی خواہشات، اپنے ذاتی مفادات، خودغرضی اور اپنے منفی رویوں سے اس نے دنیا کو سنوارنے سے زیادہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے انسان اس جہان میں صاف ستھری اور اسلامی فطرت کے ساتھ جنم لیتا ہے، مگر اس کا ماحول، والدین کی تربیت اور سماجی رویّے اس کی عادات واطوار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسے اگر اچھا ماحول، مثبت سوچ رکھنے والوں کا سہارا اور نیک اور باکردار لوگوں کا ساتھ نصیب ہوا تو معاشرے کے دوسرے افراد اس کی صلاحیتوں سے فیضیاب ہوتے ہیں اور اس کے برعکس اگر اسے منفی انداز فکر کے والدین اور نامناسب ماحول ملا تو اس کے برے رویوں اور کردار سے سماج کو اذیت پہنچتی ہے۔ پھر شریف اور سلیم الفطرت لوگوں کی زندگی اس کی وجہ سے اجیرن بن جاتی ہے۔

ہمارے ایک کولیگ ہوا کرتے تھے، وہ اکثر کہا کرتے کہ اپنے گناہوں کو دیکھ کر خود کو کافر گمان کرتا ہوں، مگر جب معاشرے کے بعض افراد کو ان کے جرائم اور گناہوں کی دلدل میں گھرا ہوا دیکھتا ہوں تو اپنے آپ کو "پیر بابا" سمجھتا ہوں۔

کچھ لوگ اپنی باتوں سے بڑے خلیق اور ملنسار لگتے ہیں، مگر جب ان کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو انسان کان پکڑ کر رہ جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ نرے صوم وصلوۃ کی پابندی سے انسان کے عملی کردار کا پتہ نہیں چلتا۔

کون اچھا ہے یا برا؟ یہ پتہ تب چلتا ہے جب آپ:

1۔ کسی کے پڑوسی بن جائیں۔

2۔جب آپ کسی کے ساتھ سفر پر جائیں۔

3۔جب آپ کو کسی کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آئے۔

درج بالا تین حالتوں سے گزر کر آپ کسی کے اچھے یا برے ہونے کی گواہی دے سکتے ہیں۔

زندگی میں پیش آنے والے چھوٹے موٹے واقعات، اخلاقی رویّے اور معاملات انسان کے اصل پہچان کے ذریعے بن جاتے ہیں۔

زندگی کے سفر میں بعض ایسے لوگوں سے پالا پڑے گا، جو آپ کے مثبت رویے کو بھی منفی سلوک میں بدل دے گا، کیونکہ انا پرست، ضدی اور ہٹ دھرم قسم کے لوگ صرف اپنی غرض کے بندے ہوتے ہیں۔وہ ہر بات کو اپنی جھوٹی انا کا مسئلہ بنا دیتے ہیں۔وہ کسی کی تکلیف اور مشکل کو نہیں دیکھتے۔ان کے سامنے اپنا ہی اُلّو سیدھا کرنا ہوتا ہے۔وہ سیدھی سادھی بات کو بھی پیچیدہ بنا دیتے ہیں۔ان کی نظر میں صرف انہی کی بات سچی ہوتی ہے اور ان کی غرض پورا کرنا سب سے بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔

بہتر مسلمان اور اچھے انسان کو دوسروں کی مشکلات کا احساس ہوتا ہے۔وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتا ہے اور ہر معاملے میں ہٹ دھرمی اور اکڑ پن کی بجائے خوش اخلاقی اور بہترین رویئے کی گنجائش پیدا کر کے معاملات کو سہل بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

مشہور کہاوت ہے کہ "جس شخص کو ہنسنا نہیں آتا، وہ دکان نہ کھولے"۔زندگی میں بیشمار مشکلات پیش آتے ہیں۔ہر گتھی کو سلجھانا، ہر معاملے کو نمٹانا اور ہر مسئلے کو حل کرنا تب ممکن ہوتا ہے، جب آپ کے اندر خوش اخلاقی، حسن ذوق، خندہ پیشانی، صبر و برداشت، حوصلہ اور مشکل وقت میں آسان وقت آنے کی امید ہو۔روشنی آنے سے پہلے تاریکی اور اندھیرے کا ہی راج ہوتا ہے۔اگر آپ کے اندر اچھے اخلاقی رویوں کا فقدان ہے تو سمجھ لو کہ آپ آسان کام کو بھی اپنے لیے مشکل بنا رہے ہیں۔

جان لو! کہ ہر مشکل اور تکلیف میں آسانی اور راحت کا دروازہ کھلتا ہے اور ہر آسانی اور راحت میں بھی مشکل اور تکلیف کا دروازہ کھلتا ہے۔

ایک بنیادی بات یاد رکھنے کی ہے کہ آپ اپنی مشکل کو دوسروں کا مشکل نہ بنائیں، بلکہ دوسروں کے لیے آسانی پیدا کر کے اپنی مشکل دور کرنے کی کوشش کریں۔

''جو شخص اونٹ پالتا ہے، وہ اپنے گھر کا دروازہ اونچا رکھتا ہے'' کے مصداق اونچا حوصلہ رکھنا ہی آپ کی زندگی میں آسانی پیدا کرسکتا ہے۔

آپ رشتہ ڈھونڈنے جاتے ہیں تو تلاشی کے سارے راستے آپ ہی نے ناپنے ہیں۔لڑکی والے کبھی لڑکے کی تلاش میں نہیں نکلتے۔ ہر قسم کے دوطرفہ معاملات میں فائدہ حاصل کرنے والے کو ہی زیادہ مشکل برداشت کرنا پڑتا ہے۔مگر ضدی فطرت کے حامل لوگ فائدہ بھی اپنا ہی ڈھونڈتے ہیں اور مشکل میں بھی دوسروں کو ڈالنا چاہتے ہیں۔

انسانی معاشرہ میں رہنے کے لیے کچھ اصولوں کو اپنانا لازمی ہوتا ہے۔آپ عمل کرنے میں آزاد ہیں، مگر نتیجہ اور انجام آپ کے کنٹرول میں نہیں ہے۔آپ خودکشی کرنا چاہتے ہیں تو کرلیں،مگر اس میں جان سے جانا پڑتا ہے اور یہ نتیجہ آپ نہیں روک سکتے۔

کسی کے ساتھ کوئی معاملہ طے کرتے وقت آپ کا ذاتی فیصلہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔کسی کو اعتماد میں لیے بغیر اپنی مرضی مسلط کرنا کوئی شرافت نہیں ہے۔

معاہدات کو خوش اسلوبی سے نبھانے کے لیے پلان اے، بی اور سی کا ٹیبل سامنے رکھنا ہوگا۔نہیں تو آپ اپنی مشکل کو دوسروں کے سر ڈال کر اپنی خوشی کے مواقع گنوانا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالی انسان کو خوشی کے بہت سے مواقع فراہم کرتا ہے،مگر یہ انسان کے فہم وفراست پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ خوشی کے موقع کو اپنے لیے اور دوسروں کے لیے کیسے کارآمد بنا سکتا ہے۔

اللہ تعالی نے اچھی صحت.....دی ہے،امن وعافیت سے نوازا ہے،دولت دی ہے، بچے دیے ہیں تو آپ ان نعمتوں پر خوشی اور شکر کا اظہار کرکے دوسروں کو بھی اپنی خوشیوں میں شریک کرنے کا گر سیکھیں۔گر یہ ہیں:

(۱).....آسانیاں بانٹو،مشکلات پیدا نہ کرو۔

(۲).....لوگوں کو خوشی ومسرت کے پیغام دو،نفرتیں نہ بانٹو۔

(۳).....معاشرہ کے لیے خیر اور نفع رسانی کا ذریعہ بن جاؤ۔

(۴).....کسی کو اعتماد میں لیے بغیر،اپنی مرضی دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش مت کرو۔

﴿اسلامی زندگی﴾

آفاتِ صبر

(سینتیسویں قسط)

مولانا ابو محمد حسان شاہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

اھلِ صبر کے لیے صداقت اور تقویٰ کا مژدہ :

فرمایا:

﴿وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴿۱۷۷﴾﴾(البقرۃ)

تنگدستی میں، بیماری میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہیں۔ یہی سچے لوگ ہیں۔

اھلِ صبر ھی اھلِ عزم ھوتے ھیں :

میرے رب نے فرمایا:

﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴿۴۳﴾ (الشوریٰ)

جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا، بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

اھلِ صبر کو اللہ تعالیٰ بڑا حصہ عطا فرمائیں گے :

﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾﴾ (القصص)

ترجمہ: اور جن لوگوں کو (اللہ کی طرف سے) علم عطا ہوا تھا، انہوں نے کہا: تم پر افسوس ہے (کہ تم ایسا کہہ رہے ہو) اللہ کا دیا ہوا ثواب اس شخص کے لیے کہیں زیادہ بہتر ہے، جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور وہ انہی کو ملتا جو صبر سے کام لیتے ہیں۔

یعنی جنت کے مستحق وہ صابر ہی ہوں گے، جو دنیاوی لذتوں سے کنارہ کش اور آخرت کی زندگی میں

رغبت رکھنے والے ہوں گے۔

اھلِ صبر ھی خوش نصیب ھوتے ھیں :

﴿ وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴿٣٥﴾ (حم السجدة)

اور یہ بات انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے سوائے بڑے نصیب والوں کے کوئی نہیں پاسکتا۔(علماء نے ''ذوحظٍ عظیم'' کا ترجمہ ''خوش نصیب'' کیا ہے۔

یعنی برائی کو بھلائی کے ساتھ ٹالنے کی خوبی اگر چہ نہایت مفید اور بڑی ثمر آور ہے، لیکن اس پر عمل وہی کرسکیں گے، جو صابر ہوں گے، غصے کو پی جانے والے اور ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرنے والے ہوں گے۔

اَھلِ صبر ھی عبرت پکڑتے ھیں :

﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴿٣٣﴾(الشوریٰ)

یقیناً اس میں ہر اس شخص کے لیے بڑی نشانیاں ہیں، جو صبر کا بھی خوگر اور شکر کا بھی۔

اھلِ صبر ھی جنت میں جائیں گے :

﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾(الرعد)

اور اُن کے پاس فرشتے ہر دروازے سے آئیں گے اور کہیں گے کہ سلام ہے تم پر تمہارے صبر کی وجہ سے، پس آخرت کا گھر کیا ہی اچھا گھر ہے۔

اھلِ صبر کو ھی اللہ تعالیٰ امامت کا منصب عطا فرماتے ھیں:

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْ وَكَانُوْ بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴿٢٤﴾(السجدة)

اور ان میں سے ہم پیشوا بناتے تھے، جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے، جب وہ صبر کرتے اور ہماری نشانیوں پر یقین کرتے تھے۔

اس آیت سے صبر کی فضیلت واضح ہے کہ صبر کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اوامر بجالانے میں، محرمات سے بچنے میں، اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تصدیق اور ان کے اتباع میں جو تکلیفیں پیش آتی ہیں، انہیں خندہ پیشانی

سے جھیلنا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:ان کے صبر کرنے اورآیاتِ الٰہی پر یقین رکھنے کی وجہ سے ہم نے ان کودینی امامت اورپیشوائی کے منصب پر فائز کیا۔

مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن میں اس آیتِ مبارکہ پرایک عنوان باندھا ہے کہ ’’کسی قوم کا مقتدا اورامام بننے کے لیے دوشرطیں ہیں‘‘ چنانچہ فرماتے ہیں:

اس آیت میں علماءِ بنی اسرائیل میں سے بعض کو امامت وپیشوائی کا درجہ عطا فرمانے کے دوسبب ذکرفرمائے ہیں:اول صبر کرنااوردوسرے یہ کہ آیاتِ الٰہیہ پر یقین کرنا۔

یہاں صبر سے مراداحکامِ الٰہیہ کی پابندی پرثابت قدم رہنااورجن چیزوں کواللہ تعالیٰ نے حرام یامکروہ قراردیاہے،ان سے اپنے نفس کوروکنا ہے۔جن میں تمام احکامِ شریعت کی پابندی آجاتی ہےاور یہ بہت بڑاعملی کمال ہے۔دوسراسبب ان کا آیاتِ الٰہیہ پر یقین رکھنا ہے۔اس میں آیات کے مفہوم کوسمجھنا،پھرسمجھ کراس پر یقین کرنا،دونوں داخل ہیں۔یہ بہت بڑاکمالِ علمی ہے۔

پس امامت وپیشوائی کے لائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ لوگ ہیں جوعمل میں بھی کامل ہوں اورعلم میں بھی۔یہاں عملی کمال کوعلمی کمال سے مقدم بیان فرمایاہے۔

ابن کثیرؒ نے بعض علماء کاقول اس آیت کی تفسیر میں نقل کیاہے:

” بِالصَّبۡرِ وَالۡيَقِيۡنِ تُنَالُ اِمَامَةٌ فِیۡ الدِّيۡنِ“

یعنی صبراوریقین ہی کے ذریعے دین میں کسی کوامامت کادرجہ مل سکتاہے۔

(معارف القرآن:۷/۴۷)

اھل صبر کی مدد ونصرت کا وعدہ فرمایا:

﴿بَلٰٓی اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ﴾ (۱۲۵)(آل عمران)

بلکہ اگرتم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیارکرواوروہ تم پر یکدم سے آپڑیں توتمہارارب پانچ ہزارفرشتے نشان دارگھوڑوں پرمدد کے لیے بھیجے گا۔

حدیثِ پاک میں آیاہے:(بروایت عن عبداللہ بن عباس فی مسنداحمد:۱۹/۵)

"اِنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ".

بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد بندے کے صبر کرنے کے بقدر ہوتی ہے۔

یعنی بندہ جتنا صبر زیادہ کرے گا، اللہ تعالیٰ کی مدد اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ اسی روایت کو امام بیہقی نے "باب ذکر مافی الاوجاع والامراض" میں ذکر کیا ہے۔ (حدیث نمبر: ۹۵۲۸)

سیدنا ابراھیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذِابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾(البقرۃ:۱۲٤)

اور جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو اس نے انہیں پورا کر دیا، فرمایا: بے شک میں تمہیں سب لوگوں کا امام بنادوں گا۔

سبحان اللہ! سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر آزمائشیں آئیں اور انہوں نے صبر کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انعام کے طور پر فرمایا: میرے ابراہیم! میں تمہیں انسانوں کا امام بنادوں گا۔ اس لیے سیدنا عمر فاروقؓ فرماتے تھے:

"اِنَّا وَجَدْنَا خَیْرَ عَیْشٍ اَدْرَکْنَاهُ بَعْدَ الصَّبْرِ".

کہ ہم نے اچھی زندگی ہمیشہ صبر کے بعد سنی۔ (ارشاد الساری ۱۳/۴۶۹)

مذکورہ روایت "کتاب الزہد والرقائق لإبن المبارک" میں مروی ہے، اگرچہ سنداً ضعیف ہے، اس میں روایت "عن" کے ساتھ ہے۔ اسی طرح "عن مجاہدؒ قال عمرؓ"، لیکن مجاہدؒ کی ملاقات سیدنا عمرؓ کے ساتھ ثابت نہیں۔ اس لیے یہ روایت منقطع ہے۔ اسی طرح یہ روایت "کتاب الزہد والرقائق لابن نعیم" میں بھی مروی ہے۔

(جاری ہے.....)

دل کی دوائیں

حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ صوفیائے کرام میں بڑے اونچے مرتبے کے بزرگ ہیں۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ دل کی دوائیں پانچ ہیں: 1۔ قرآن کریم کو تدبر کے ساتھ پڑھنا۔ 2۔ خالی پیٹ رہنا۔ 3۔ رات کو تہجد پڑھنا۔ 4۔ سحری کے وقت اللہ کے حضور گڑگڑانا۔ 5۔ صالحین کی صحبت اختیار کرنا۔ (تراشے، مفتی محمد تقی عثمانی، ص: 114)

﴿اسلامی زندگی﴾

اذان، پوری دنیا میں مسلسل گونجنی والی عظیم دعوت

مفتی محمد اسماعیل نیاز

دنیا کے گوشے گوشے میں ہر روز 5 مرتبہ ایک مبارک آواز اور عظیم دعوت بلند ہوتی ہے، جو چودہ سو سال سے اسی تسلسل کے ساتھ بلند ہو رہی ہے۔ آج بھی اس آواز کے الفاظ وکلمات وہی ہیں، جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے، ان میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق نہیں آیا ہے۔

دنیا کے پہلے مؤذن:

چودہ سو سال سے دنیا کے گوشے گوشے میں روزانہ پانچ مرتبہ جو مقدس اور دل چھو لینے والے کلمات سنائے دیتے ہیں، ان کلمات کو روئے زمین پر سب سے پہلے بلند کرنے کی سعادت جس کے حصے میں آئی، وہ نہ تو بظاہر کوئی بااثر شخص تھا اور نہ ہی دولت مند اور نہ ہی بہت خوبصورت کہ جس کے حُسن کی وجہ سے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے، بلکہ وہ ایک حبشی غلام تھا، جس کا رنگ سیاہ، آنکھیں سرخ اور ہونٹ موٹے تھے، لیکن اس کا دل بے حد حسین تھا۔ سیاہ رنگت رکھنے والا یہ غلام..... جسے اللہ تعالیٰ نے عزت اور عظمت کی اعلیٰ بلندیوں پر فائز کیا..... حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپؓ کو دنیا کا پہلا مؤذن ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور آپؓ، حضور اکرم ﷺ کے خاص خادم بھی تھے۔ آپؓ کے والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا۔ حضرت بلالؓ ان پہلے سات خوش نصیب افراد میں سے ہیں، جنہوں نے پہلے اسلام قبول کیا۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت بلال کی مدینہ منورہ سے رخصتی:

پیارے نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس دنیا سے پردہ فرمایا، صحابہ کرامؓ میں کہرام بپا تھا، عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم غمِ مصطفےٰ ﷺ سے نڈھال تھے، مرد وعورتیں زار وقطار رو رہے تھے، انہی لوگوں میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، جو مدینہ کی گلیوں میں دیوانہ وار پھرتے تھے اور لوگوں سے پوچھتے تھے کہ بھائیو! تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، مجھے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرادو۔ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں نہ رہ سکے۔ کیسے رہتے، مسجد نبوی کا ہر گوشہ، حجروں کا ایک ایک دروازہ انہیں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد دلاتا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کے غم کی تاب نہ لا سکے اور آخر کار مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے ملک شام کے شہر حلب چلے گئے۔

مؤذن رسول کا خواب میں دیدار رسول ﷺ:

تقریباً ایک سال بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: اے بلال! تم نے ہم سے ملنا کیوں چھوڑ دیا ہے؟ کیا تمہارا دل ہم سے ملنے کو نہیں چاہتا؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ کھل گئی، اضطراب بڑھ گیا، ''لبیک یا سیدی'' (اے میرے آقا! غلام حاضر ہے) کہتے ہوئے اٹھے اور راتوں رات مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔

مؤذن رسول کا سفر مدینہ:

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ دن رات سفر کرتے ہوئے جب مدینہ منورہ کی پر کیف اور نورانی فضاؤں میں داخل ہوئے، دل کی دنیا زیر و زبر ہو رہی تھی، بے قراری کے عالم میں سیدھے مسجد نبوی ﷺ پہنچے اور روضۂ انور پر حاضر ہوئے اور روتے ہوئے عرض کیا: یا رسول اللہ! غلام کو حلب سے بلایا اور خود پردہ میں چھپ گئے ہیں۔ روتے روتے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدت غم سے بے ہوش ہو گئے اور قبر انور کے قریب گر گئے۔ مدینہ منورہ میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کا شہرہ ہو چکا تھا۔ ہر طرف شور تھا کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

باشندگانِ مدینہ کا مؤذن رسول سے اذان کی طلب:

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب ہوش آیا تو دیکھا کہ ہر طرف لوگوں کا ہجوم ہے۔ آپؓ کے ہوش میں آنے کے بعد لوگوں کی منت سماجت شروع ہو گئی، لوگ التجائیں کرنے لگے کہ اے بلال! ایک دفعہ پھر وہی درد بھری اذان سنا دو، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے تھے۔ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہاتھ جوڑ کر سب سے معذرت کی اور کہا کہ بھائیو! یہ بات میری طاقت سے باہر ہے، کیونکہ جب میں پیارے آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اذان دیا کرتا تھا اور ''اشہد ان محمد رسول اللہ'' کہا کرتا تھا تو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم میری آنکھوں کے سامنے ہوتے تھے۔ آہ! آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو اب پردے میں چھپ گئے، تو اب بتائیں کہ

اذان میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیونکر ہوگا۔ مہربانی فرما کر مجھے اس خدمت سے معاف کردو، مجھ میں برداشت کی قوت نہیں۔ لوگوں نے بہت ہی اصرار کیا، مگر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان کے لیے راضی نہ ہوئے۔ صحابہ کرامؓ میں سے کچھ صحابہؓ نے رائے دی اور فرمایا کہ کسی طرح حضرت حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلالائیں، اگر یہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اذان کی فرمائش کریں گے تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور مان جائیں گے، کیونکہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں سے بے حد محبت ہے۔ چنانچہ ایک صحابیؓ گئے اور حضرت حسن و حسینؓ کو بلالائے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کا مؤذن رسول سے اذان سننے کی خواہش:

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آتے ہی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: اے بلال! آج ہمیں وہی اذان سنا دو، جو ہمارے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا کرتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیارے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گود میں اٹھالیا اور کہا ''تم تو میرے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر کے ٹکڑے ہو، تم جو کہو گے، وہی ہوگا، اگر میں نے انکار کردیا اور کہیں تم روٹھ گئے تو روضۂ انور میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم بھی رنجیدہ ہو جائیں گے۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں تو روزانہ پنج وقتہ اذان ہوتی تھی اور لوگ اذان سن کر فرض کی ادائیگی کے لیے مسجد میں آتے ہی تھے، لیکن مہینوں کے بعد جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان کی پرسوز آواز مدینہ کی فضاؤں میں گونجی تو اہلِ مدینہ کے دل ہل گئے۔

مہینوں بعد مدینہ منورہ میں اذان کی پر سوز آواز:

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان کی پرسوز آواز سن کر لوگوں کی نگاہوں کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی حیات کا سماں بندھ گیا۔ لوگ روتے ہوئے بے تابانہ مسجد نبوی کی طرف دوڑ پڑے۔ ہر شخص بے قرار ہو کر گھر سے باہر آ گیا۔ عورتیں، بچّے سب ہی مضطربانہ گلیوں میں نکل آئے۔ آج لوگوں کے قدم مسجد نبوی کی جانب عجیب والہانہ انداز سے اُٹھ رہے تھے۔ مسجد نبوی میں لوگوں کا ہجوم بڑھتا ہی جارہا تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ دوسری مسجدوں کے نمازی بھی آج مسجد نبوی میں آگئے ہیں۔ جو شخص بھی مسجد نبوی میں داخل ہوتا، اس کی نظریں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متلاشی تھیں۔ بچوں نے بھی اس مؤذن کو دیکھ لیا، جس کی آواز مدینے کی آبادی کو بے خود کر کے مسجد نبوی میں لے آئی تھی۔ بچے اپنی ماؤں سے پوچھ رہے تھے، امّی جان! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

مؤذن بلال تو آ گئے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کب مدینے تشریف لائیں گے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس وقت ''اشہدان محمد رسول اللہ'' زبان سے ادا کیا، ہزار ہا چیخیں ایک ساتھ فضا میں بلند ہوئیں، جس سے فضا دہل گئی۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظریں بے اختیار منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اُٹھ گئیں، آہ! منبر خالی تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ ہوسکا، بے چینی بڑھ گئی، ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ غمِ مصطفیٰ ﷺ کی تاب نہ لا سکے اور بے ہوش ہو گئے۔

اس واقعے کے کچھ عرصے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر سے رخصت ہوئے اور واپس شام چلے گئے، جہاں 20 ہجری (641ء) کو آپؓ نے اپنا سفر حیات مکمل کرلیا۔ آپؓ کو دمشق میں باب الصغیر کے قریب دفن کیا گیا۔

دنیا کا نقشہ اور اذان:

اب دنیا کے نقشے کو دیکھیں! اسلامی ممالک میں انڈونیشیا کرۂ ارض سے مشرق میں واقع ہے۔ یہ ملک بیشمار جزیروں پر مشتمل ہے، جن میں جاوا، سماترا، بورنیو اور سیلبز مشہور جزیرے ہیں۔ انڈونیشیا آبادی کے لحاظ سے مسلم ممالک میں سب سے بڑا ملک ہے، اس کی آبادی 26 کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ اس ملک میں غیر مسلم آبادی کا تناسب آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ طلوع سحر سیلبز کے مشرق میں واقع جزائر میں ہوتی ہے، وہاں میں طلوع فجر کے وقت ساڑھے پانچ بج رہے ہوتے ہیں۔ طلوع سحر کے ساتھ ہی انڈونیشیا کے انتہائی مشرقی جزائر میں فجر کی اذان شروع ہو جاتی ہے اور ہزاروں مؤذن خدائے بزرگ و برتر کی توحید اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں۔ مشرقی جزائر سے یہ سلسلہ مغربی جزائر کی طرف بڑھتا ہے اور ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جکارتہ میں مؤذنوں کی آواز گونجنے لگتی ہے۔ جکارتہ کے بعد یہ سلسلہ سماترا میں شروع ہو جاتا ہے اور سماترا کے بعد مغربی قصبوں اور دیہات سے پہلے ہی ''ملایا'' کی مسجدوں میں اذانیں بلند ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ ملایا کے بعد برما کی باری آتی ہے، جکارتہ سے اذانوں کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے، وہ ایک گھنٹہ بعد ڈھاکہ پہنچتا ہے۔ بنگلہ دیش میں ابھی اذانوں کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا کہ کلکتہ سے سری نگر تک اذانیں گونجنے لگتی ہیں۔

ہندوستان میں فضاءِ توحید و رسالت:

دوسری طرف یہ سلسلہ کلکتہ سے ممبئی کی طرف بڑھتا ہے اور پورے ہندوستان کی فضا توحید ورسالت کے اعلان سے گونج اٹھتی ہے۔ سری نگر اور سیالکوٹ میں فجر کی اذان کا ایک ہی وقت ہے، سیالکوٹ سے کوئٹہ کراچی اور گوادر تک چالیس منٹ کا فرق ہے، اسی عرصہ میں فجر کی اذان پاکستان میں بلند ہوجاتی ہے۔ پاکستان میں یہ سلسلہ ختم ہونے سے پہلے افغانستان اور مسقط میں اذانوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ مسقط سے بغداد تک ایک گھنٹہ کا فرق ہے، اس عرصہ میں اذانیں حجاز مقدس، عرب امارات، کویت اور عراق میں گونجتی رہتی ہیں۔ بغداد سے اسکندریہ تک پھر ایک گھنٹہ کا فرق ہے۔ اسی دوران شام، مصر، صومالیہ اور سوڈان میں اذانیں بلند ہوتی ہیں۔ اسکندریہ اور استنبول ایک ہی طول وعرض پر واقع ہیں۔ مشرقی ترکی سے مغربی ترکی تک ڈیڑھ گھنٹے کا فرق ہے، اس دوران ترکی میں صدائے توحید بلند ہوتی ہے۔ اسکندریہ سے طرابلس تک ایک گھنٹے کا فاصلہ ہے، اس عرصے میں شمالی افریقہ میں لیبیا اور تیونس میں اذانوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے، فجر کی اذان کا آغاز انڈونیشیا کے مشرقی جزائر سے ہوا تھا، ساڑھے نو گھنٹے کا سفر طے کر کے بحراوقیانوس کے مشرقی کنارے تک پہنچ جاتی ہے۔

بحر او قیانوس سے پہلے ظہر ، عصر، مغرب اور عشا کی اذان کا سلسلہ:

فجر کی اذان بحراوقیانوس تک پہنچنے سے قبل ہی مشرقی انڈونیشا میں ظہر کی اذان کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور ڈھاکہ میں ظہر کی اذانیں شروع ہونے تک مشرقی انڈونیشیا میں عصر کی اذانیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ یہی سلسلہ ڈیڑھ گھنٹہ تک جکارتہ پہنچتا ہے کہ انڈونیشیا کے مشرقی جزائر میں نماز مغرب کا وقت ہوجاتا ہے۔ مغرب کی اذانیں سیلیبز سے مشکل سماترا تک پہنچتی ہیں کہ اتنے میں عشا کا وقت ہوجاتا ہے۔ جس وقت مشرقی انڈونیشیا میں عشا کی اذانوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، اس وقت افریقہ میں فجر کی اذانیں گونج رہی ہوتی ہیں۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ کرۂ ارض پر ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گزرتا، جس وقت ہزاروں لاکھوں مؤذن بیک وقت خدائے بزرگ و برتر کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان نہ کر رہے ہوں۔ انشاء اللہ یہ سلسلہ تا قیامت اسی طرح جاری رہے گا۔ امت محمدیہ کی یہ خصوصیت، یہ مقدس کلمات، یہ پرسوز آوازیں جو ایک میٹھا سا سکون رگوں میں اتارتا ہے۔ کانوں میں رس گھولتی بہت سی آوازیں سنی ہیں، لیکن اذان جیسا سکون دنیا کی کسی آواز میں نہیں۔ اے کاش! ہم اسلامی شعائر کے قدردان ہوتے۔

﴿اسلامی زندگی﴾

سیرۃ المصطفیٰ ﷺ (خدمتِ خلق)

متعلم: راہب شاہ

انسانیت کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی اور ان کے سماجی، فلاحی اور معاشرتی امور میں ان کی رہنمائی ہر ذی عقل انسان کے ہاں قابل تحسین اور قابل داد ہے۔ پھر خدمتِ خلق کا جذبہ مسلم وغیر مسلم سب کے دلوں میں یکساں موجود ہے اور سب اس میں مشترکہ طور حصہ لیتے ہیں، اگر چہ اہداف میں فرق ضرور ہے۔

حکومتی سطح پر بھی اس خدمت کو سرانجام دیا جاتا ہے اور غیر سرکاری تنظیموں کی سطح پر بھی، جیسے این جی اوز، وغیرہ۔ این جی اوز زیادہ تر مغربی ممالک آئی ایم ایف، ورلڈ بینک یا ان کے ذیلی اداروں سے مالی امداد حاصل کر کے خدمتِ خلق میں اپنے مطلوب اہداف حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ تو خدمتِ خلق کے بہانہ سے ملک گیری کی طرف جانا ہوتا ہے، اگر چہ ملک گیری انسان کا طبعی خاصہ ہے۔ انسان اپنی صحیح فطرت اور قوت عاقلہ ناطقہ کی وجہ سے خیر وصلاح سے بہت قریب ہے اور شر وفساد سے بہت دور ہے، کیونکہ اس میں شر حیوانی وصف کی وجہ سے آتا ہے، لیکن صحیح فطرت کے مطابق دوسروں کے لیے خیر وصلاح مہیا کرنا اور شر وفساد سے بچانا ذرا مشکل ہے۔

اس بات میں اگر ہم رحمتِ دوعالم ﷺ کی زندگی پر نظر ڈالیں کہ کم وقت میں کم وسائل سے بلا کسی نقصان کے جو خدمتِ خلق انجام دی ہے، اس کی نظیر ملنا محال ہے۔ نبی ﷺ کے اوصافِ جمیلہ کے لیے تو بڑے سے بڑا دفتر بھی کم ہے، البتہ اس بحر ذخار کے چند قطروں پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

آپ ﷺ کی پوری زندگی خدمتِ خلق کا ایک نمونہ اور اس کی ضامن ہے، جس پر آپ ﷺ کے اقوال وافعال دال ہیں۔

(۱) اقوال سے خدمت:

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"واللّٰہ فی عون العبد ماکان العبد فی عون أخیہ". (شعب الایمان للبیھقی، رقم

الحدیث:١٦٩٥)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں اس وقت تک رہتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کے کاموں میں اس کی مدد کررہا ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے کیا خوبصورت تصور (Concept) دیا ہے کہ اگر ہم اپنے بھائی کے کام آئیں گے، اس کی مصیبت اور پریشانی دور کرنے کی کوشش کریں گے تو اتنی دیر اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔ ارشادِ نبوی ہے:

"خیر الناس من ینفع الناس". (کنز العمال، صفحہ:٤٥٩، کتاب المواعظ والرقائق والخطبات والحکم، رقم: ٤٤١٥٤، مکتبہ دارالاشاعت)

ترجمہ: لوگوں میں بہتر وہ شخص ہے، جو لوگوں کو زیادہ نفع پہنچائے۔

(۴) آپ ﷺ کے افعال یا عملی زندگی سے خدمتِ خلق:

آپ ﷺ نے پوری زندگی رحم دلی، وفاداری، سچائی، دیانتداری، مہمان نوازی، قومی ہمدردی اور انصاف پسندی کے ساتھ گذاری اور مخلوقِ خدا کی خدمت کو احسن طریقہ سے سرانجام دیا۔ اس پہلو کو مدنظر رکھ کر پہلے مکہ مکرمہ اور پھر مدینہ منورہ کے لوگوں کو کس طرح نفع پہنچایا اور ان کو اپنی خدمات سے کس طرح مالا مال فرمایا۔ ذیل میں اس کی ایک جھلک قارئین کی پیش خدمت ہے:

اھلِ مکہ مکرمہ:

آپ کو معلوم ہے کہ اہلِ مکہ مکرمہ میں قبائلی عصبیت کے جنون نے زور پکڑ لیا تھا۔ حکومتی نظام کے فقدان کی وجہ سے ہر فرد مشکل اوقات میں اپنے قبیلہ کی پناہ لینے پر مجبور تھا۔ اگر کسی کا قبیلہ اس کی امداد سے دست کش ہوجاتا تو وہ مظلوم اپنی دادرسی کے لیے کسی کا دروازہ نہ کھٹکھٹا سکتا۔ اپنے بیٹے، بھائی اور باپ کے قاتل سے بھی وہ انتقام نہ لے سکتا۔ ان کو یہ حقوق دلانا، آپ ﷺ ہی کی خدمات ہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے عصبیت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی انسانیت کی خدمت کی اور عملاً ان امتیازات کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہوئے آگے بڑھنے کی تعلیم دی اور مکہ مکرمہ میں ان سب خودساختہ امتیازات کو ختم کرڈالا، جو انسانیت کی عزت، شرافت اور وقار کو ختم کردینے والے تھے اور وہ بھائی چارہ قائم کیا، جس کے دروازے بلا کسی امتیاز سب کے لیے کھلے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سب شیر وشکر ہوگئے اور امتیازیات کی بنیادیں منہدم ہوگئیں۔

اھل مدینہ منورہ:

سرور دو عالم ﷺ نے جب مدینہ طیبہ میں تشریف آوری فرمائی تو یہاں کے اندرونی مسائل کچھ کم نہ تھے، کیونکہ یہاں کے مسلمان ایک قبیلہ کے افراد نہ تھے، بلکہ بعض اوس سے تعلق رکھتے تھے، بعض خزرج سے، نیز کچھ یہودی بھی تھے اور منافقین بھی۔

پھر اوس وخزرج جو علم وثقافت سے بے بہرہ اور بت پرست تھے اور یہود نے اپنے مفاد کی وجہ سے ان کو متحد نہ ہونے دیا تھا، بلکہ ایک دوسرے کے دشمن بنے رہے تو ان سب افراد کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا، ان کی آپس میں منافرت کو شیر وشکر سے تبدیل کرنا، چند مہینوں میں سارے شہر کی کایا پلٹ کر رکھنا اور ایسے لوگوں کو تمام دنیا کے لیے نمونہ بنانا؛ خدمت خلق کا عجیب وغریب نقشہ ہے۔ان سب خدمات کا دارومدار کسی لالچ یا دنیوی مفاد پر نہ تھا، بلکہ خالص اللہ کی رضا طلبی پر اس کا دارومدار تھا۔

رضاکارانہ اور بلا معاوضہ خدمت خلق:

انبیائے کرامؑ لوگوں کے بوجھ اٹھاتے تھے، ان سے بیزار نہیں ہوتے تھے اور خاص طور پر ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ جس نے اپنی زندگی بلا معاوضہ امت کو نفع رسانی کے لیے وقف کردی تھی، جیسا کہ فرمایا: ''جو آدمی فوت ہوا اور اس نے مال چھوڑا ہو تو وہ اس کے ورثا کے لیے ہے اور فوت ہوا اور اس کے ذمے قرضہ ہے اور دینے کے لیے کچھ نہیں تو اس کا ادا کرنا میرے ذمہ ہے۔'' (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الاحزاب، حدیث نمبر ۴۷۸۱، جلد دوم صفحہ ۱۱۲۲، مکتبہ انعامیہ)

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے'' کہ اگر اولاد چھوڑی ہو تو وہ میرے پاس آجائیں، ان کا ذمہ دار میں ہوں، یعنی ان کی اولاد کا پروش میرے ذمے ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الاحزاب، حدیث نمبر ۴۷۸۱، جلد دوم صفحہ ۱۱۲۲، مکتبہ انعامیہ)

آپ ﷺ کی خدمت خلق اللہ کی رضا کے لیے تھی، تو آپ ﷺ پر اس خدمت کے بدلے کسی عوض یا لالچ کا گمان کرنا قرین قیاس نہیں، وہ خود لوگوں کو دیتے تھے، لینے کا طمع اللہ کے سوا کسی سے نہیں رکھتے تھے۔

مالی لحاظ سے خدمت خلق:

مخلوق خدا کی خدمت اور ان کی معاونت اور نصرت میں آپ ﷺ نے کبھی کسی قسم کی کسر نہیں نہ

چھوڑی۔فقراء ومساکین پر مال خرچ کرنا اوران کے حوائج پورے کرنا،آپ ﷺ کا شیوہ وشعار تھااور کبھی بھی اپنے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہیں کی۔جیسا کہ انسؓ سے روایت ہے:

"أن رسول اللہ ﷺ کان لا یدخر شیئا لغدٍ".(الترمذی،باب ماجاء فی معیشة النبیؐ وأھلہ،رقم الحدیث:۲۳۵۵، جلد دوم صفحہ:۵۸۹، مکتبہ انعامیہ)

ترجمہ:آپ ﷺ نے کبھی کوئی چیز بچا کرکل کے لیے جمع کرکے نہیں رکھی ہے۔

جب حاجت مند کو دیکھتے تو فوراً مدد فرماتے تھے،جیسا کہ ایک صحابیہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے دو ہتھیلی بھر سونا اور زیور عطا کیا اور فرمایا کہ اسے پہن لو۔(سبل الھدیٰ)

حضرت جریرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں کچھ لوگ آئے،جو ننگے بدن،ننگے پاؤں اور دھاری دار اونی چادر اور عبا(جبے) پہنے ہوئے تھے۔ان کی حالت دیکھ کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک بدل گیا۔ آپ ﷺ نے خود اور صحابہ کے باہمی تعاون سے ان کو کپڑے،غلہ اور نقد رقم مہیا کرکے ان کے حوالہ کردیا۔یہ صحابی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے ایسا چمک رہا ہے کہ گویا آپ ﷺ پر سونے کا پانی پھیرا ہوا ہے۔سبحان اللہ!(مسلم،نسائی،جلد اول،حدیث نمبر:۲۵۵۴)

دربار رسالت میں اس طرح غریبوں کی امداد کی جاتی تھی، بلکہ آپ ﷺ غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرنے کے لیے خود کماتے تھے،جیسا کہ بخاری کی روایت ہے:

" وکان یعین علی نوائب الحق". (رواہ البخاری)

ترجمہ:آپ ﷺ لوگوں کے حقیقی حادثات میں مدد فرماتے تھے۔

مثلاً جو قرض یا دیت کے مال کی ادائیگی پر قادر نہ ہوتا،فقر وافلاس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مصیبت کو ٹال نہیں سکتا،عقد مکاتبت کرکے بھاری رقم ادا کرنے سے عاجز ہوتا تو آپ ﷺ اس کو مالی مدد سے اس مصیبت سے نجات دلاتے تھے،جیسے سلمان فارسیؓ کو آزاد کیا۔چونکہ غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا نہ کرسکتے تھے،اس لیے آزادی کی خواہش تھی،لیکن آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کرنا ایسے غریب الوطن شخص کے لیے صرف ایک خواب وخیال اور امکان کی حد سے متجاوز صرف ایک تصور تھا۔اس ناامیدی کے وقت میں آپ ﷺ نے اس کے گلوخلاصی کی بندوبست کرکے بھاری معاوضہ ادا کیا،یعنی 300 کھجور کے درخت اور

40اوقیہ سونا اس کے آقا کو دے کر اس غریب الدیار (پردیسی) کو نئی زندگی عطا فرمائی۔(ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، مسند امام احمد بن حنبل: ۵/۴۱، ۴۲)

معاشرے میں جو لوگ نچلے درجہ کے شمار ہوتے تھے، ان کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمات کسی سے مخفی نہیں۔ان کو انسانی معاشرے میں زندگی کا اہل قرار دے دیا، جس سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔اس سے اندازہ لگائیں کہ غلاموں اور باندیوں کے لیے بھی آپ ﷺ نے کبھی بھی وقت یا مخصوص مکان کی پابندی نہیں لگائی اور نہ کبھی سہولت پسندی کو ترجیح دی، بلکہ ہر وقت اور ہر حال میں سب کی خدمت کے لیے تیار تھے۔

مخلوق خدا کی خدمت میں مخصوص وقت یا مخصوص مکان:

مخلوق خدا کی خدمت میں مخصوص زمان یا مکان کو منتخب نہ کیا اور نہ اپنے جسم کی سہولت کی پرواہ کی۔روایت ہے:

"عن انسؓ قال کان النبی ﷺ إذا صلی الغداۃ جاء خدم المدینۃ بأنیتھم فیھا الماء فما یؤتی بإناء إلا انغمس یدہ فیھا فربما جاء ہ بالغداۃ الباردۃ فیغمس یدہ فیھا."(رواہ مسلم، کتاب الفضائل، جلد دوم صفحہ: ۳۵٤، رقم الحدیث:٦۰۳۸)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو اہل مدینہ کے خدام برتنوں میں پانی لے کر پہنچ جاتے، چنانچہ جو شخص بھی پانی کا برتن لے کر آتا تو آپ ﷺ اسی برتن میں اپنا ہاتھ مبارک ڈال دیتے۔بسا اوقات ایسا ہوتا کہ لوگ سردی کے موسم میں صبح صبح اپنے برتن لے آتے اور آپ ﷺ اپنا دست مبارک ان برتنوں میں ڈال دیتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تکلیف و پریشانی کو برداشت کر کے بھی مخلوق خدا کو فائدہ پہنچایا، یہ نہیں فرمایا کہ یہ کونسا وقت ہے آنے کا؟ یا اب سردی ہے یا پانی ٹھنڈا ہے وغیرہ۔

وعن انس بن مالکؓ قال کانت من إماء المدینۃ تأخذ بید رسول اللہ ﷺ فتنطلق بہ حیث شا ء ت." (مظاھر حق شرح مشکوٰۃ :۵/۳٤۵،باب اخلاق النبی ﷺ ، مکتبہ دارالاشاعت)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ والوں میں سے ایک لونڈی کا یہ معاملہ تھا کہ جب اس کو کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑتی اور جہاں اس کا جی چاہتا آپ ﷺ کو لے جاتی۔

مطلب یہ کہ مدینہ منورہ سے باہر دور لے جاتی تھی اور پھر مسئلہ بیان کرتی تھی۔ آپ ﷺ کو چھوٹے درجہ کے افراد سے کس قدر ہمدردی اور خدمت کا جذبہ تھا۔

آپ ﷺ نے معاشرے میں لاچاروں اور کم مائیگی والے لوگوں کو بھی شہری کے برابر کا حق دیا تھا اور ان کو بے سہارہ نہ چھوڑتے، جیسے جلیبیبؓ کی شادی کی۔ یہ ایک فقیر اور تنگ دست صحابی تھے، اس کے چند شکوے تھے، جن میں یہ بھی تھا کہ مجھے کوئی رشتہ نہیں دیتا۔ آپ ﷺ نے فوراً اس کے لیے نکاح کا بندوبست کیا اور ایک انصاری لڑکی سے نکاح کرایا۔ (اخرجہ احمد، رقم الحدیث: ۶۸۵۷) آپ ﷺ ہمیشہ دوسروں کے لیے راحت کا سامان مہیا فرماتے تھے اور عجیب بات یہ ہے کہ دوسروں کو اپنے پر ترجیح دیتے تھے۔

جس طرح کہ آج کے دور میں ایک ملک کا وزیر دوسرے ملک کے صدر اور وزیر کو تحفے تحائف پیش کرتے ہیں تو یہ عصر حاضر کا رواج نہیں ہے، بلکہ شاہ دوجہان، سرورِ کائنات ﷺ کے دربار عالیہ میں بھی مختلف بادشاہوں نے ہدایا پیش کیے تھے، لیکن اکثر طور پر نبی ﷺ ان تحائف وہدایا کو بھی خدمتِ خلق میں صرف کرتے تھے، اگر چہ خود اشد ضرورت تھی، جیسے حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ دومۃ الجندل کے بادشاہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں حلوے کا ایک بڑا برتن بطورِ ہدیہ بھیجا (حیاۃ الصحابہ، جلد دوم، ص ۲۸۲، مکتبہ البشری) اور اللہ تعالیٰ کی قسم اس دن خود نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے گھر والوں کو اس برتن کی ضرورت تھی، لیکن نبی ﷺ نے ایک صحابی کو فرمایا کہ اس کو صحابہؓ میں تقسیم کرو اور ایک کپڑا بھی تھا جو حضرت علیؓ کے حوالہ کیا۔ (مسلم: ۲/۲۶۶، رقم الحدیث: ۵۲۰، کتاب اللباس والزینۃ، مکتبہ انعامیہ)

ایسا کون سا پہلو ہے، جس میں آپ ﷺ نے مثالی خدمات نہ پیش کی ہوں، انسان تو چھوڑیں، جانوروں کے ساتھ بھی رحم دلی اور حسن سلوک کا مظاہرہ فرمایا اور اپنی خدمات سے ان کو بھی راحت وسکون پہنچایا۔ جیسے حضرت یعلی بن مرۃ ثقفیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک اونٹ آیا اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی، نبی ﷺ نے فوراً مالک کو بلایا کہ اس اونٹ نے مجھ سے شکوہ کیا کہ اس سے کام زیادہ لیا جاتا ہے اور چارہ کم دیا جاتا ہے، اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (مظاہر حق)

اس طرح کے سینکڑوں واقعات ہیں، جو ہمارے نبی آخرالزمان ﷺ کی اعلیٰ خدمت پر دال ہیں۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے ایسی زندگی مانگتے ہیں، جو مخلوق خدا کی خدمت میں صرف ہو، تاکہ اس سے دوسروں کو کچھ فائدہ ہو۔ اے اللہ! اپنی بارگاہ میں ہماری اس دعا کو قبول فرما۔ آمین یارب العالمین!

not found.

تحقیقی مقالات ومضامین)

نبی کریم ﷺ بطور سپہ سالار

(دوسری قسط)

مفتی محمد فہیم اللہ (مدیر ماہنامہ ندائے حسن)

آپ ﷺ طبعی طور پر امن پسند اور مخلوق کی محبت سے مالا مال تھے :

نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ''رحمۃ للعالمین'' بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔(الانبیاء:۱۰۷)

اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ زمانۂ شباب ہی سے مخلوق کی خیر خواہی اور امن پسندی کو پسند فرماتے تھے۔نبوت سے پہلے بھی حضور اکرم ﷺ کی طبیعت میں یہ بات داخل تھی کہ کسی شخص پر ظلم ہوتے دیکھ کر برداشت نہ کرتے تھے۔آپ ﷺ کی نبوت سے چند سال پہلے حرب فجار کے بعد چند دردمند اشخاص (بنو ہاشم، بنوالمطلب، بنواسد، زہرہ بن کلاب، تیم بن مرۃ وغیرہ خاندانوں کے کچھ لوگ) عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے۔ان میں یہ معاہدہ ہوا کہ مکہ میں کسی مظلوم کو پائیں گے تو اس کی مدد کے لیے کھڑے ہوں گے۔جس نے بھی ظلم کیا، اس کا مقابلہ کریں گے، یہاں تک کہ ظالم مظلوم کا حق لوٹا دے۔قریش اس عہد کو ''حلف الفضول'' کا نام دیتے تھے، اس لیے کہ معاہدے میں شرکت کرنے والوں میں سے تین سرداروں کے نام کے شروع میں ''فضل'' لفظ تھا (فضل بن فضالہ، فضل بن وداعہ اور فضل بن حارث)۔

نبی کریم ﷺ نبوت کے بعد بھی یہ فرمایا کرتے کہ میں ابن جدعان کے گھر جس حلف میں شریک ہوا، مجھے یہ پسند نہیں کہ سرخ اونٹ (عربوں کے قیمتی مال) کے بدلے اس سے دستبردار ہو جاؤں۔نیز آپ ﷺ یہ بھی فرمایا کرتے کہ اگر اب بھی مجھے کوئی ایسے معاہدے میں شریک ہونے کو کہے تو میں قبول کرنے کو تیار ہوں۔

(سیرۃ ابن ہشام، حدیث رسول اللہ ﷺ عن حلف الفضول: جلد ا، ص ۱۳۳)

آپ ﷺ کی اسی رحم دلی اور امن پسندی کو بنیاد بنا کر حضرت خدیجہؓ نے پہلی وحی کے بعد پیدا ہونے والی گھبراہٹ میں آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

كَلَّا وَاللّٰهِ ! مَا يُخزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا. إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحمِلُ الكَلَّ وَتَكسِبُ

المَعدُومَ وَتَقرِی الضَّیفَ وَتُعِینُ عَلَی نَوَائِبِ الحَقِّ.(بخاري،رقم :٣)

ترجمہ: خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز بے یارومددگار نہیں چھوڑیں گے۔ بیشک آپ رشتہ جوڑتے ہیں،غریبوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں،ناداروں کو کما کر لاتے ہیں،مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کے راستوں میں آنے والی مصیبتوں میں کام آتے ہیں۔

آپ ﷺ اپنی ذات کے لیے انتقام لینا پسند نہیں فرماتے تھے :

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ رسول اللہ ﷺ کی مختلف خصوصیات ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

ولا انتقم لنفسه من شیء یؤتی إلیه حتی تنتهك حرمات الله فیکون هوینتقم لله عزوجلّ.(مسند أحمد، رقم : ٢٤٧٦٥، المستدرك علی الصحیحین ، رقم :٤٢٢٣)

اور آپ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لیے کسی سے کبھی انتقام نہیں لیا، البتہ اگر کہیں اللہ تعالیٰ کی حرمات یعنی حدود کو توڑا گیا تو پھر آپ ﷺ نے اللہ عزوجل کے لیے انتقام ضرور لیا ہے۔

علامہ ابن سید الناس اپنی مایۂ ناز کتاب ''عیون الاثر'' میں فرماتے ہیں:

وکان صلی الله علیه وسلم أعظم الناس عفوا لا ینتقم لنفسه.

آپ ﷺ معافی کرنے میں سب سے بڑے درجے والے تھے جو اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیتے تھے۔اس کے بعد وہ بطور مثال فرماتے ہیں:

(۱) جب غورث بن حارث نے آپ ﷺ پر تلوار سونت لی اور کہا کہ اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ۔ پس (رعب کی وجہ سے) تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ آپ ﷺ نے تلوار اٹھا کر پوچھا: اب تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے عرض کیا: آپ بہترین قابو پانے والے بن جائیں۔ آپ ﷺ نے اس کو چھوڑ کر معاف کر دیا۔ وہ واپس جا کر اپنی قوم سے کہنے لگا: میں اس ذات کے پاس سے آیا ہوں جو تمام انسانوں میں بہترین ہے۔

(۲) آپ ﷺ نے اس یہودی عورت کو معاف فرمایا، جس نے آپ ﷺ کو بکری کے گوشت میں زہر دیا تھا اور خود اس جرم کا اعتراف بھی کیا تھا۔

(۳) لبید بن اعصم کو سحر کرنے کے باوجود نہیں پکڑا۔

(۴) اورعبداللہ بن ابیّ اوراس جیسے منافقین کا مؤاخذہ نہیں فرمایا، حالانکہ ان کے قول اور فعل سے آپ ﷺ کو بہت تکلیفیں پہنچیں۔

(۵)اسی طرح غزوۂ احد میں جب آپ ﷺ کے چہرۂ انور پرزخم آیااوردانت مبارک شہید ہوگئے توصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ بات برداشت نہ ہوسکی اورعرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ان بدبختوں کوبددعا دیجیے۔زخم آلوداورتکلیف سے چورچور نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: مجھے لعنت بھیجنے والا بنا کرنہیں بھیجا گیا، بلکہ مجھے تو داعی اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔پھرفرمایا: اے اللہ! میری قوم کوہدایت عطا فرما۔بیشک یہ لوگ (میری حیثیت اوراپنافائدہ) نہیں جانتے۔(السیرۃ النبویۃ المعروف بہ عیون الاثر،لعلامہ ابن سیدالناس (محمد بن عبداللہ بن یحی، المتوفیٰ:۷۳۴ھج:۲/۴۲۱)

نبوت ورسالت کے گستاخ کے ساتھ آپ ﷺ کا سخت رویہ :

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین اورانتقام پسندنہیں تھے،لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں انتہائی سخت اوررب کائنات کی طرف سے عطاکردہ اعزازیعنی نبوت ورسالت کے معاملے میں انتہائی حساس تھے۔آپ ﷺ کسی بھی دشمن کی یہ غلطی ہرگز تسلیم کرنے کوتیارنہیں تھے کہ وہ دیدہ ودانستہ طور پرنبوت رسالت کی توہین کرے، چنانچہ رحمۃ للعالمین ہونے کے باوجودآپ ﷺ نے کعب بن اشرف اورابورافع یہودی کوقتل کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ بھیجے،صرف اس وجہ سے کہ ان کی دشمنی اوربدزبانی کا ہدف صرف آپ ﷺ کی ذات بابرکات نہیں تھی، بلکہ ان کی دشمنی اوربیہودہ گوئی اللہ تعالیٰ کی ذات اوررسالت کی توہین تک پہنچ گئی تھی،اس لیے آپ ﷺ نے میدان جنگ میں آنے کاانتظارکیے بغیران کواپنے گھروں کے اندرہی واصل جہنم فرمایا۔(صحیح بخاری،باب قتل کعب بن الاشرف،باب قتل ابی رافع: رقم:۳۷۳۱،۳۷۳۲،۳۷۳۴)

اسی طرح فتح مکہ کے موقع پراگرایک طرف آپ ﷺ نے اپنے ہزاروں جانی دشمنوں کومعاف فرمایا تودوسری طرف آپ ﷺ نے چارمردوں اوردوعورتوں سے متعلق فرمان جاری فرمایا کہ ان کو جہاں کہیں پائیں،انہیں قتل کردیں ،چنانچہ عبدالعزیٰ ابن خطل کواس حالت میں قتل کردیاگیا کہ وہ کعبہ کے پردوں کوپکڑکرمعافی مانگ رہاتھا۔اس بدبخت نے دوباندیاں صرف اس لیے خریدی تھیں کہ وہ آپ ﷺ کی شان

میں گستاخانہ اشعار کہتی پھریں۔آپ ﷺ نے اس کی باندیوں سمیت اسے قتل کرنے کا حکم فرمایا۔
(المعم الاوسط للطبرانی،رقم:٦٧٦٥،السنن الکبریٰ للنسائی،رقم:٣٥٣٠،بغیۃ الحارث)

جنگی اخلاقیات اور اصول:

بطور سپہ سالار آپ ﷺ کی امتیازی خوبی یہ تھی کہ آپ ﷺ نے عام لڑائیوں اور جنگوں کے برعکس شرعی قتال کا فلسفہ متعارف کرایا۔آپ ﷺ چاہے خود کسی لشکر میں تشریف لے جاتے یا کسی صحابی کو امیر بناتے، ان اصول کی پاسداری ضرور کرتے یا کرواتے۔

سنن ابی داؤد کی ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں،جس میں حضرت بریدۃ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سریہ یا لشکر کا امیر مقرر فرماتے تو درج ذیل ہدایات اور نصیحتوں کی تاکید فرماتے:

(١) أوصاه بتقوى الله فی خاصة نفسه و بمن معه من المسلمين خيرا.

اپنے معاملے میں اللہ سے ڈرنے اور اپنے ساتھ شامل مسلمان سپاہیوں کی خیر خواہی کا خیال رکھنا

(٢) إذا لقيت عدوّك فادعهم إلى الإسلام .....

جب دشمن سے سامنا ہو جائے تو اولاً انہیں اسلام کی دعوت دینا،اس کے بعد جزیہ اور صلح پر آمادہ کرنا، یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر آخری باری قتال کی ہوگی۔

(٣) ولا تغدروا .

دھوکہ اور عہد شکنی نہ کرنا

(٤) ولا تغلّوا .

مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا

(٥) ولا تمثّلوا .

مقتولین کے اعضا نہ کاٹیں یعنی جذبہ انتقام میں انسانیت کی تذلیل و توہین سے بچنا

(٦) ولا تقتلوا وليدا . (سنن أبي داؤد ، كتاب الجهاد ، رقم : ٢٦١٣)

نومولود یعنی نابالغ بچوں کو قتل نہ کرنا

آگے حضرت انسؓ کی حدیث میں کچھ مزید اصول بھی ذکر فرمائے:

(٧) ولا تقتلوا شيخا فانيا .

بوڑھے اور ضعیف لوگوں کو قتل نہ کرنا

(٨) ولا امرأة.

کسی عورت (جو براہِ راست جنگ میں شامل نہ ہو) کو قتل نہ کرنا

(٩) وأصلحوا وأحسنوا إن الله يحب المحسنين. (سنن أبي داؤد ، رقم :٢٦١٤)

اصلاح اور احسان کا معاملہ کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

(١٠) لا تتمنّوا لقاء العدوّ وسلوا اللّه العافية . فإذا لقيتم فاصبروا ، واعلموا أن الجنة تحت ظلال السيوف. (بخاري، رقم:٢٧٤٤،سنن أبي داؤد)

جنگ پسند اور لڑاکو مت بنو!

دشمن سے ملاقات (لڑائی) کی تمنا نہ کریں (اس میں اپنی بہادی کے گھمنڈ اور خود پسندی کا شائبہ ہے) اور اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کریں۔ البتہ اگر دشمن کا سامنا ہو جائے تو پھر ڈٹ جائیں اور یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ مطلب یہ کہ جان بوجھ کر اور بہانہ بنا کر دشمن کو قتل کرنے کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔ قتال ضرورت کی بنا پر کیا جاتا ہے، لہذا ضرورت والے عمل کو بلا ضرورت کرنے کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔

نبی کریم کی مبارک سیرت اس معاملے میں ہم سب کے لیے مشعلِ راہ ہے کہ ستائیس یا انتیس غزوات میں سے صرف نو (٩) میں جنگ ہوئی۔

(١١) من ضيق منزلا أو قطع طريقا فلاجهادله.(سنن أبي داؤد)

عوام الناس کو تکلیف میں نہ ڈالا جائے!

معاذ بن انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں ہم نے پڑاؤ ڈالا تو ہمارے پڑاؤ کی وجہ سے راستہ بند ہو گیا اور عام لوگوں کو چلنے میں تکلیف ہوئی۔ آپ ﷺ نے اعلان کروایا کہ جو شخص پڑاؤ یا راستہ تنگ کرنے کا سبب بنے تو اس کا جہاد معتبر نہیں۔

جہاد جیسے عمل میں بھی عوام الناس کو تکلیف سے بچانے کا اِتنا اہتمام ہوتا تھا۔ ہمارے ہاں تو لوگ

مسجد سے باہر مصلیٰ بچھا کر راستہ بند کر دیتے ہیں یعنی ہماری عبادات بھی ایذا رسانی سے خالی نہیں۔

(۱۲) کثرتِ تعداد کے گھمنڈ اور نشہ میں نہ پڑو!

آپ ﷺ نے جہاد میں خود پسندی، تکبر اور گھمنڈ کے بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ آپ ﷺ ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے تھے۔ آپ ﷺ قتال شروع کرنے سے پہلے درج ذیل دعائیں فرماتے:

اللهم مُنزلَ الكتابِ ومُجريَ السّحابِ وهازمَ الأحزابِ اهزمهم وانصرناعليهم.

اللهم أنتِ عضدي ونصيري ، بكَ أحول وبك أصول وبك أقاتل . (سنن أبي داؤد ، رقم : ٢٦٣١، ٢٦٣٢، بخاري ، رقم : ٢٧٤٤)

کثرتِ تعداد کے گھمنڈ کی وجہ سے مسلمانوں کے سب سے بڑے (بارہ ہزار) لشکر کو غزوۂ حنین میں ابتدائی شکست ہوئی اور مسلمان ایسے منتشر اور بدحواس ہو گئے کہ زمین تنگ محسوس ہونے لگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور فتح نصیب ہوئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ﴾(التوبة: ٢٥)

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد فرمائی اور حنین کی لڑائی والے دن بھی، جب کہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا، لیکن اس (کثرت) نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا، بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہو گئی۔

جہاد کے اصول توڑنے پر آپ ﷺ کا غصہ :

پہلے گزر چکا کہ دینِ اسلام میں جہاد کا ایک خاص فلسفہ اور خاص اصول ہیں۔ ان اصولوں سے ہٹ کر محض انتقام، عصبیت یا کسی اور شک وشبہ کی وجہ سے کسی کو قتل کرنا بالکل ناجائز ہے۔

شک وشبہ یا سابقہ کفر کی بنا پر کسی انسان کا قتل جائز نہیں!

عَنْ أُسَامَةَ بن زَيدٍ قَالَ : بَعَثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ سَرِيَّةً إِلَى الحُرَقَاتِ فَنَذِرُوا بِنَا فَهَرَبُوا، فَأَدرَكْنَا رَجُلًا فَلَمَّا غَشِينَاهُ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ فَضَرَبنَاهُ حَتَّى قَتَلنَاهُ، فَذَكَرتُهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : مَنْ لَكَ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ يومَ القِيَامَةِ؟ فَقُلتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّمَا

قَالَهَا مَخَافَةَ السِّلَاحِ. قَالَ : أَفَلَا شَقَقْتَ عَن قَلبِهِ حَتَّى تَعلَمَ مِن أَجلِ ذَلِكَ قَالَهَا أَم لَا؟ مَن لَكَ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ يَومَ القِيَامَةِ ؛ فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حَتّٰى وَدِدتُ أَنِّي لَم أُسلِم إِلَّا يَومَئِذٍ. (سنن أبي داؤد ، رقم :٢٦٤٣)

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک سریہ میں حرقات (قبیلہ جہینہ کے بعض قبائل) کی طرف بھیجا۔ ان لوگوں کو ہمارے آنے کی خبر ہوئی تو وہاں سے بھاگ گئے۔ پس ہم نے دشمن کے ایک آدمی کا پیچھا کیا، جب ہم نے اس کو گھیر لیا تو اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا، پس ہم نے اس کو مار کر قتل کر دیا، پھر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: اگر قیامت کے دن یہ شخص (دل سے) لا إلہ الا اللہ کہتے ہوئے شکایت لے کر آیا تو کون تجھے بچائے گا؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس شخص نے محض تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو تم اس کا دل چھیر کے دیکھ لیتے کہ ڈر کی وجہ سے کہہ رہا ہے یا نہیں (یعنی تمہیں اس بات کا یقینی علم نہیں تھا تو کیوں مار دیا۔ قیامت کے دن تو اس کے لا الہ الا اللہ کے ساتھ کیا کرے گا۔ آپ ﷺ مسلسل یہی فرما رہے تھے، یہاں تک کہ میں یہ خواہش کرنے لگا کہ کاش میں آج ہی کے دن مسلمان ہوتا (یعنی اس سریہ میں شریک ہو کر اس ناحق خون سے بچ جاتا)۔

اس حدیث سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں کسی کی جان محض دشمنی کی وجہ سے نہیں لی جاسکتی، نہ ہی کسی شک وشبہ کی وجہ سے کسی کو قتل کیا جاسکتا ہے۔ سنن ابی داؤد کے اسی باب کی ایک حدیث میں ہے کہ اسی قسم کے ایک دوسرے واقعے میں رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے ایک مقتول کی دیت بھی ادا فرمائی تھی۔

عَنِ المِقدَادِ بنِ الأَسوَدِ أَنَّهُ أَخبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ: أَرَأَيتَ إِن لَقِيتُ رَجُلًا مِن الكُفَّارِ فَقَاتَلَنِي فَضَرَبَ إِحدَى يَدَيَّ بِالسَّيفِ ثُمَّ لَاذَ مِنِّي بِشَجَرَةٍ فَقَالَ أَسلَمتُ لِلّٰهِ أَفَأَقتُلُهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ بَعدَ أَن قَالَهَا؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَقتُلهُ. فَقُلتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّهُ قَطَعَ يَدِي. قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَقتُلهُ، فَإِن قَتَلتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنزِلَتِكَ قَبلَ أَن تَقتُلَهُ وَأَنتَ بِمَنزِلَتِهِ قَبلَ أَن يَقُولَ كَلِمَتَهُ الَّتِي قَالَ. (سنن أبي

داؤد ، رقم :٢٦٤٤)

ترجمہ:حضرت مقداد بن اسودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! مجھے خبر دیجیے اس معاملے کے بارے میں، کہ اگر میں کسی لڑائی میں کوئی کافر شخص مجھ سے قتال کرتے ہوئے میرے ایک ہاتھ کو تلوار سے ماردے، پھر مجھ سے کسی درخت کی پناہ میں جا کر کہہ دے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے اسلام لایا تو کیا میں اس کے بعد اس کو قتل کرسکتا ہوں ۔آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو قتل مت کرنا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بیشک اس نے میرا ہاتھ کاٹا ہوگا۔آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو قتل مت کرنا۔اگر تو نے اس کو قتل کردیا تو وہ تمہاری طرح ہوجائے گا (یعنی اس کے قتل کرنے سے پہلے جس طرح تم معصوم الدم اور بے گناہ تھے، اسلام لانے کے بعد وہ بھی اسی طرح ہوجائے گا)، اور تم اس کی طرح ہوجاؤ گے، جس طرح وہ کلمہ حق کہنے سے پہلے تھا (یعنی کلمہ اسلام لانے سے پہلے جس طرح وہ حق کا مخالف تھا، تم بھی ایک بے گناہ کو قتل کرنے کی وجہ سے مخالفتِ حق میں اس جیسے ہوجاؤ گے، اگرچہ ایک مخالفتِ حق کفر کی حد تک ہے اور دوسرا گناہ کی حد تک۔یا مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ اسلام لانے سے پہلے معصوم الدم نہیں تھا، تم بھی اس کے قتل سے غیر معصوم الدم ہوجاؤ گے)۔

بطور سپہ سالار آپ ﷺ کی شجاعت اور بہادری :

نبی کریم ﷺ کی بہادری، شجاعت اور ثابت قدمی کے سیکڑوں واقعات سیر ومغازی کی کتابوں میں موجود ہیں، لیکن نمونہ کے طور پر یہاں ایک دو واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن سید الناس نے اپنی مشہور زمانہ سیرت کی کتاب ''عیون الاثر'' میں احادیث کی مستند کتابوں کے مختلف حوالوں سے یہ حدیث لکھی ہے:

وعن أنس كان النبي ﷺ أحسن الناس وأجود الناس وأشجع الناس، لقد فزع أهل المدينة ليلة فانطلق ناس قبل الصوت فتلقاهم رسول اللهﷺ راجعا قد سبقهم إلى الصوت واستبرأ الخبر على فرس لابي طلحة عري والسيف في عنقه وهو يقول لن تراعو. (السيرة النبوية المعروف بعيون الاثر، لعلامه ابن

سیدالناس(محمدبن عبداللہ بن یحی:المتوفیٰ:٧٣٤ھ):٢/٤٢٢،متفق علیہ)

سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ لوگوں میں سب سے بہترین، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ایک مرتبہ رات کے وقت مدینہ شریف میں لوگ سوئے ہوئے تھے کہ انہوں نے کچھ آواز سنی۔لوگ گھبرا کر اٹھے۔خطرہ تھا کہ کہیں مدینہ منورہ پر شب خون نہ پڑ جائے اور دشمن بے خبری میں حملہ نہ کر دے۔لوگ باہر کی طرف جانے کی سوچ رہے تھے، تا کہ آواز آنے کی جگہ اور وجہ معلوم کر سکیں۔باہر جا کر صحابہؓ حیران رہ گئے کہ اللہ کے رسول ﷺ سیدنا ابوطلحہؓ کے گھوڑے پر بغیر زین ڈالے یعنی ننگی پشت پر سوار ہیں، تلوار کندھے سے لٹک رہی ہے اور مدینہ منورہ کے باہر سے تشریف لا رہے ہیں۔لوگوں کو دیکھا کہ وہ خوف زدہ ہو رہے ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔پھر سیدنا ابوطلحہ کے گھوڑے کے بارے میں فرمایا کہ یہ تو بہتے دریا کی طرح تیز دوڑنے والا ہے''۔(عیون الاثر، متفق علیہ)

غزوۂ حنین میں آپ ﷺ کی شجاعت اور ثابت قدمی :

عن ابی اسحق قال:سَمِعتُ البَرَاءَ وَسَأَلَهُ رَجُلٌ أَكُنتُم فَرَرتُم يَا أَبَا عُمَارَةَ يَومَ حُنَينٍ؟ قَالَ لَا وَاللَّهِ! مَا وَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَلَكِنَّهُ خَرَجَ شُبَّانُ أَصحَابِهِ وَأَخِفَّاؤُهُم حُسَّرًا لَيسَ بِسِلَاحٍ فَأَتَوا قَومًا رُمَاةً جَمعَ هَوَازِنَ وَبَنِي نَصرٍ مَا يَكَادُ يَسقُطُ لَهُم سَهمٌ فَرَشَقُوهُم رَشقًا مَا يَكَادُونَ يُخطِيُونَ فَأَقبَلُوا هُنَالِكَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى بَغلَتِهِ البَيضَاءِ وَابنُ عَمِّهِ أَبُو سُفيَانَ بنُ الحَارِثِ بنِ عَبدِ المُطَّلِبِ يَقُودُ بِهِ فَنَزَلَ وَاستَنصَرَ ثُمَّ قَالَ أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِب أَنَا ابنُ عَبدِ المُطَّلِب ثُمَّ صَفَّ أَصحَابَهُ.(صحیح البخاری،باب من صف أصحابه عندالهزیمة)

براء بن عاذبؓ سے کسی نے پوچھا کہ کیا تم لوگ حنین کے دن جنگ سے بھاگ گئے تھے؟ آپؓ نے فرمایا کہ نہیں خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے پشت ہرگز نہیں پھیری تھی، البتہ آپ

ﷺ کے اصحاب میں جو نوجوان تھے، وہ بے سروسامان اور زرہ کے بغیر تھے، جو اپنے ساتھ کوئی ہتھیار بھی نہیں لے گئے تھے، انہوں نے ضرور میدان چھوڑ دیا تھا، کیونکہ مقابلہ میں ہوازن اور بنونصر کے بہترین تیرانداز تھے، کہ شاذ و نادر ہی ان کا کوئی تیر خطا جاتا تھا، چنانچہ انہوں نے خوب تیر برسائے اور شاید ہی کوئی نشانہ ان کا خطا ہوا ہو (اس دوران میں مسلمان) نبی کریم کے پاس آ کر جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار تھے اور آپ ﷺ کے چچیرے بھائی ابوسفیان بن حارث آپ ﷺ کی سواری کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے سواری سے اتر کر اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا مانگی۔ پھر فرمایا: ''میں نبی ہوں، اس میں غلط بیانی کا کوئی شائبہ نہیں۔ میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کی نئے طریقے پر صف بندی کی۔

سخت لڑائی میں صحابہؓ کرام کا اپنے بھا درنبی کی پنا ہ میں لڑنا:

دوران جنگ نبی رحمت موقع کی مناسبت سے بہادری اور استقامت کے پیکر بن جاتے۔ بہادروں کے بہادر، سیدنا حیدر کرار، حضرت علی رضی اللہ نے آپ ﷺ کی بہادری کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

وقال علي بن أبي طالب: كنّا إذا حمى أو اشتد البأس واحمرت الحدق اتقينا برسول الله ﷺ فما يكون أحد أقرب إلى العدو منه ولقد رأيتني يوم بدر ونحن نلوذ برسول الله ﷺ وهو أقربنا إلى العدو وكان من أشد الناس يومئذ بأسا. (محمدبن عبدالله بن يحى: المتوفىٰ: ٧٣٤هج، السيرة النبوية المعروف به عيون الاثر، لعلامة ابن سيدالناس: ٢/٤٢٢)

حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی اور لڑائی زوروں پر ہوتی تو ہم رسول اللہ ﷺ کی پیچھے جان بچاتے ہوئے لڑنے کو ترجیح دیتے تھے۔ پس میں نے آپ ﷺ سے زیادہ کسی کو دشمن کے قریب نہیں پایا۔ اور جنگ بدر کے دن میں (یعنی سیدنا علیؓ) اور دوسرے صحابہ آپ ﷺ کی پناہ لے کر لڑتے رہے اور آپ ﷺ ہم سے زیادہ دشمن کے قریب تھے۔ اُس دن سب سے زیادہ ڈٹ کر لڑنے والے آپ ﷺ ہی تھے۔

﴿بیاناتِ جمعہ﴾

تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک کا شرعی حکم

مفتی غلام اللہ صاحب
امام وخطیب: جامع مسجد بلال کلفٹن کراچی

الحمد لله وحده والصلوٰة والسلام على من لا نبي بعده ، أما بعد! فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم ، بسم الله الرحمن الرحيم ، قال الله تعالیٰ : ﴿وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ﴾(طه: ٦٩) وقال تعالى: ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾(الطلاق : ٣)، وقال النبيﷺ : "إنَّ الرقى والتمائم والتولة شرك".(سنن ابی داؤد)

اُمابعد!

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد جو آیات اور حدیث شریف آپ کے سامنے پڑھی، اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حدیث:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: میرے سامنے چند اُمتیں پیش کی گئیں، ایک ایک اور دودو نبی گزرنے لگے، ان کے ساتھ جماعت تھی اور ایسا بھی نبی گزرا کہ جس کے ساتھ کوئی ایک امتی بھی نہ تھا، یہاں تک کہ میرے سامنے ایک بڑی جماعت پیش کی گئی، میں نے پوچھا: کیا یہ میری امت ہے؟ جواب ملا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ اُفق کی طرف دیکھو تو دیکھا کہ ایک جماعت آسمان کو گھیرے ہوئی ہے، مجھے کہا گیا کہ اردگرد آفاق میں دیکھیں، میں نے دیکھا کہ خلقِ خدا کا ایک جم غفیر ہے، جس نے سارا اُفق بھردیا ہے......کہا گیا کہ یہ تمہاری امت ہے اور ان میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔(بخاری، کتاب الطب: رقم الحدیث: 5378)

علماء نے لکھا ہے کہ ستر کا عدد کنایہ ہے کثرت سے، جیسا کہ ہم اپنے محاورات میں کہتے ہیں کہ میں

نے یہ بات آپ کو سو مرتبہ بتائی تھی، حالانکہ سو مرتبہ تو نہیں بتائی گئی، بلکہ دو تین مرتبہ بتائی ہوئی ہوتی ہے۔ اسی طرح اہل عرب جب کسی چیز کی کثرت اور زیادتی کو ذکر کرتے ہیں تو ستر کا عدد استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ ستر ہزار لوگ یعنی بہت سارے لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔

اب وہ کون لوگ ہوں گے تو آپ ﷺ نے ان کی چار صفات بیان فرمائے ہیں، فرمایا:

"ھم الذین لا یَسْتَرْقُوْنَ ولا یتطیّرونَ وَلایَکْتَوُوْنَ وعلی ربھم یتوکلون". (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الطب والرقیٰ)

کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ منتر پڑھتے ہیں، نہ بدفال لیتے ہیں اور نہ داغ لگاتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے :

ہمارے معاشرے میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ تقریباً 95 فیصد لوگ سحر، جادو، تعویذ وغیرہ میں مبتلا ہیں۔ اس مسئلہ میں اکثر لوگ افراط وتفریط کے شکار ہیں، چنانچہ بعض لوگ ان اشیا کو سرے سے مانتے ہی نہیں اور بعض لوگ اس میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ شرک میں داخل ہو جاتے ہیں۔

لیکن اس میں اعتدال کا راستہ یہ ہے کہ جو تعویذ اور جھاڑ پھونک قرآن وسنت سے ثابت ہے، وہ جائز ہے، اس کا انکار درست نہیں، اس لیے کہ کتبِ احادیث میں اس پر باقاعدہ ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ اور جہاں یہ شرط مفقود ہو، وہ جائز نہیں۔

کون سے "تمائم" شرک ہیں:

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تعویذ لٹکانا شرک ہے، اس کی وجہ ایک حدیث ہے، جس کا مطلب لوگ صحیح نہیں سمجھتے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آپ ﷺ نے فرمایا:

'إنَّ الرقی والتمائم والتولة شرك". (أبوداود، کتاب الطب، باب فی التمائم)

"تمائم" تمیمۃ کی جمع ہے اور عربی زبان میں تمیمہ کے جو معنی ہیں، اُردو میں اس کے لیے کوئی لفظ نہیں تھا، اس لیے لوگوں نے غلطی سے اس کے معنی "تعویذ" سے کر دیے، اس کے نتیجے میں اس حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ "تعویذ شرک ہے"، حالانکہ یہ بات صحیح نہیں۔

تمیمہ عربی زبان میں سیپ کی اُن کوڑیوں کو کہا جاتا ہے، جن کو زمانہ جاہلیت میں لوگ دھاگے میں پرو کر بچوں کے گلوں میں ڈال دیا کرتے تھے اور ان کوڑیوں پر مشرکانہ منتر پڑھے جاتے تھے۔ دوسری طرف ان کوڑیوں کو بذات خود مؤثر سمجھا جاتا تھا۔ یہ ایک مشرکانہ عمل تھا، اس کو تمیمہ کہا جاتا تھا۔ اور آپ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی کہ تمائم شرک ہے۔

جھاڑ پھونک کا جائز طریقہ :

لیکن جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ اور مسنون دعاؤں سے جھاڑ پھونک کا تعلق ہے، وہ خود آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے، اس لیے وہ ٹھیک ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص بیمار ہو جائے تو یہ کلمات کہے:

" أَللّٰهُمَّ رَبَّنَا أَذْهِبِ الْبَأْسَ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِيُ لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاءُ كَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا". (أبو داؤد ، كتاب الطب ،باب فى التمائم)

لہذا جھاڑ پھونک میں اگر شرکیہ الفاظ ہوں یا غیر اللہ سے مدد لی گئی ہو، جیسے یا فرعون یا قارون وغیرہ تو اس قسم کی جھاڑ پھونک شرک ہے اور جو قرآن وسنت سے ثابت ہو، جیسے ماثور دعائیں وغیرہ تو وہ جائز ہے۔

تعویذ کے مسنون کلمات:

یہ بات ذہن میں رہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے کوئی تعویذ لکھی ہو، لیکن صحابہ کرام سے تعویذ لکھنا ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بہت سے صحابہ کو یہ کلمات سکھائے تھے کہ:

" اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَ اللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظاً وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ". (أبو داؤد)

چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ جو یہودیت سے مسلمان ہوئے تھے اور یہودی ان کے دشمن تھے اور ان کے خلاف جادو وغیرہ کرتے رہتے تھے تو حضور ﷺ نے ان کو یہ کلمات سکھاتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم یہ کلمات خود پڑھا کرو اور اپنے اوپر اس کا دم کر لیا کرو، پھر انشاء اللہ کوئی جادو تم پر اثر نہیں کرے گا۔ چنانچہ وہ یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ اور حضور اقدس ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر رات کو سوتے ہوئے کسی کی آنکھ

گھبراہٹ سے کھل جائے اوراس کوخوف محسوس ہوتواس وقت یہ کلمات پڑھ لے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بڑی اولادکوتو یہ کلمات سکھادیئے ہیں اور یادکرادیے ہیں، تاکہ اس کو پڑھ کروہ اپنے اوپر دم کرتے رہا کریں اوراس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہیں اور جو میرے چھوٹے بچے ہیں، وہ یہ کلمات خود سے نہیں پڑھ سکتے، ان کے لیے میں نے یہ کلمات کاغذ پرلکھ کران کے گلے میں ڈال دیے ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اثر ہے اور ثابت ہے۔

لیکن تعویذ میں تاثیر ڈالنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ کیونکہ کسی بھی چیز میں ذاتی تاثیر نہیں ہوتی، بلکہ یہ تاثیر اللہ تعالیٰ کی وضع کردہ ہے۔ چنانچہ پانی میں پیاس بجھانے اور ڈبونے کی تاثیر اور آگ میں جلانے کی تاثیر اللہ تعالیٰ نے ڈالی ہے۔ دیکھو! حضرت موسیٰ علیہ السلام بحرقلزم میں داخل ہوئے تو وہاں راستے بن گئے، پانی اس کو نہ ڈبوسکی۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا، لیکن آگ کچھ نہ کرسکی۔ کیونکہ اس کی تاثیر اللہ تعالیٰ نے سلب کرلی تھی۔ تو بات یہ کررہا تھا کہ تعویذ میں بذات خود کوئی تاثیر نہیں، بلکہ یہ اللہ نے رکھی ہے۔

صرف تعویذ دینے سے مقتدا بن جانا:

اگر کسی شخص کی تعویذ یا جھاڑ پھونک اللہ تعالیٰ کے فضل سے کامیاب ہوگیا تو یہ اس شخص کے متقی اور مقتدیٰ ہونے کی دلیل نہیں، بلکہ یہ تاثیر تو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں رکھی ہے، جو شخص بھی ان کو پڑھے گا، تاثیر حاصل ہوجائے گی۔ یہ بات اس لیے بتائی کہ بعض اوقات جب لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ فلاں کی تعویذ بہت کارگر ہوتی ہے تو اس کو اپنا پیشوا اور مقتدیٰ بنالیتے ہیں، اگرچہ اس شخص کی زندگی شریعت کے مطابق نہ ہو۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ متبعین بھی خلافِ شرع امور کے مرتکب ہوجاتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے:

"مَن أتى كاهنا فصدَّقَهُ بمايقول فقد كفر بما أُنزل على محمد ﷺ". (مسند الطيالسي)

ترجمہ: جو کسی نجومی کے پاس آیا اور نجومی نے اسے جو کچھ بتایا، اُس نے نجومی کی بات کی تصدیق کی تو اس نے نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب کا کفر یعنی انکار کیا۔ گویا کہ وہ کافر ہوگیا۔

کیونکہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور نجومی غیب کی باتیں بتاتے ہیں، لہذا ان کی باتوں کی تصدیق

کفر سے خالی نہیں۔

لہذا بات یہ ہو رہی تھی کہ جس چیز کا ثبوت جس حد تک ہو، اس کو اسی حد تک رکھنا چاہیے، بالکل انکار کرنا کہ میں دَم وغیرہ مانتا ہی نہیں۔ اور نہ اس میں حد سے زیادہ غلو کرنا کہ شرک تک نوبت پہنچ جائے، یہ بھی غلط ہے۔

لطیفہ :

ایک مولوی صاحب کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں جھاڑ پھونک وغیرہ سرے سے مانتا ہی نہیں، اس سے کیا ہوتا ہے۔ تو مولوی صاحب غصہ ہو گئے اور اس کو گالم گلوچ اور بُرا بھلا کہا تو وہ شخص بھی غصہ میں آ کر مولوی صاحب سے لڑنے لگے۔ تو مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت ! میں نے آپ کو ابھی گالی دی برا بھلا کہا، آپ نے بھی مجھے برا بھلا کہا، اس میں تاثیر ہے کہ نہیں؟ اس نے کہا: بالکل ہے۔ تو مولوی صاحب نے کہا کہ جب اس فضول کلام میں تاثیر ہے (جس سے تم غصہ ہوئے اور بلڈ پریشر چڑھ گیا) تو جب میں اللہ کا نام پڑھ کر دم کر دوں گا، تو اس میں تاثیر کیوں نہیں ہوگی۔

تعویذ یا جھاڑ پھونک کے لیے چند شرائط:

لہذا جھاڑ پھونک سنت ہے اور تعویذ صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے، لیکن اس کے جواز کے لیے چند شرائط انتہائی ضروری ہیں:

پہلی شرط:

جو کلمات پڑھے جائیں یا تعویذ میں لکھے جائیں، ان میں کوئی کلمہ ایسا نہ ہو، جس میں اللہ کے سوا کسی اور سے مدد مانگی گئی ہو، ورنہ وہ جھاڑ پھونک اور تعویذ حرام کے زمرے میں داخل ہوگا۔

دوسری شرط:

معنی معلوم ہو اور درست ہو۔ اگر جھاڑ پھونک کے الفاظ یا تعویذ میں لکھے ہوئے الفاظ ایسے ہیں، جن کے معنی ہی معلوم نہیں کہ کیا معنی ہیں تو ایسی تعویذ استعمال کرنا بھی جائز نہیں، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کوئی مشرکانہ کلمہ ہو اور اس میں غیر اللہ سے مدد لی گئی ہو۔

تیسری شرط:

جھاڑ پھونک اور تعویذ کو مؤثر بالذات نہ سمجھا جائے، ورنہ جائز نہ ہوگی۔

چوتھی شرط:

اس میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں، ورنہ جائز نہ ہوگی۔

امام بخاریؒ نے دم اور رقی پر بہت ساری احادیث نقل کی ہیں۔ایک حدیث میں ہے کہ جب آپ ﷺ رات کو آرام فرماتے تو چاروں قل پڑھ کر اپنے ہاتھ مبارک پر پھونکتے تھے اور اپنے پورے جسم پر پھیرتے تھے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مرض الوفات میں تھے اور اتنے کمزور ہوگئے تھے کہ اپنا دست مبارک پوری طرح اٹھانے پر قادر نہیں تھے۔تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے خیال آیا کہ رات کا وقت ہے اور سرکار دو عالم ﷺ ساری عمر یہ عمل فرماتے رہے کہ معوذتین پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم فرماتے تھے اور پھر ان ہاتھوں کو سارے جسم پر پھیرتے تھے، لیکن آج آپ ﷺ کے اندر یہ طاقت نہیں کہ یہ عمل فرمائیں۔ چنانچہ میں نے خود معوذتین پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر دم کیا اور آپ ہی کے دست مبارک کو آپ کے جسم مبارک پر پھیر دیا، اس لیے کہ اگر میں اپنے ہاتھوں کو آپ کے جسم مبارک پر پھیرتی تو اس کی اتنی تاثیر اور اتنا فائدہ نہ ہوتا، جتنا فائدہ خود آپ ﷺ کے دست مبارک پھیرنے سے ہوتا۔(مرقاۃ المفاتیح، باب عیادۃ المریض وثواب المرض)

نیز ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ اگر کسی کو کسی بھی جگہ پر درد ہو تو آپ تکلیف والی جگہ پر ہاتھ رکھیں اور بسم اللہ پڑھ کر درجہ ذیل دعا سات مرتبہ پڑھیں اور دم کریں۔اللہ تعالی شفا دیں گے ان شاء اللہ۔دعا درجہ ذیل ہے:

"اَعُوذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وأُحَاذِرُ ".(مرقاة المفاتيح ،باب عيادة المريض وثواب المرض)

خلاصۂ کلام:

جو لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں، آپ ﷺ نے اُن کی چار صفات بیان فرمائی ہیں: ان میں ایک یہ کہ وہ لوگ جھاڑ پھونک (یعنی زمانۂ جاہلیت والا منتر) نہیں کرتے۔باقی صفات پر ان شاء اللہ آئندہ کبھی بات ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

﴿خطباتِ جمعہ﴾

دین خیر خواہی ہے

مفتی غلام اللہ صاحب
امام وخطیب: جامع مسجد بلال کلفٹن کراچی

نحمده ونصلي على رسوله الكريم أمابعد

عـن تميم الداريؓ أن النبي ﷺ قال: الدِّيْنُ النَّصِيْحةُ ،قلنالمن ؟قال: لِلّٰهِ وَلكتابه لِرَسُوْلِهٖ وَلِأئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ عَامَّتِهِم .(مسلم ، باب بيان أن الدين النصيحة)

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد جو کچھ آپ حضرات کے سامنے پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت تمیم داریؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "**الـدِّيْـنُ الـنَّـصِيْحةُ** "دین خیر خواہی ہے۔تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:"لِـمَـنْ يـارَسولَ اللّٰـهِ" (کس کے لیے خیر خواہی ہے اے اللہ کے رسول!) تو آپ ﷺ نے اس کی تفصیل بتا کر فرمایا:"لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَ لِأئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِم ". (دین خیر خواہی ہے اللہ کے لیے، اللہ کی کتاب کے لیے، اللہ کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے مجتہدین یا حکمرانوں کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے)۔

پہلی چیز:

پہلی چیز یہ ہے کہ آپ اللہ کے ساتھ خیر خواہی کریں۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر ایمان لایا جائے، اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ کرے، اسی طرح عبادت میں بھی کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ اِلَّالِيَعْبُدُوْنَ﴾ (الذاریات:٥٦)

اللہ تعالیٰ نے انسان اور جنات کو اس لیے بنایا، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔نیز محبت بھی

صرف اللہ تعالی سے کی جائے۔

دیکھو! اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں، اگر آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیر خواہی کروگے تو اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے، اگر نہیں کروگے تو نقصان بھی آپ کا ہے۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ روزانہ بیت المعمور (جو بیت اللہ شریف کے بالکل سیدھ میں آسمان میں ایک مبارک جگہ ہے، جس کا نام بیت المعمور ہے) کے اردگرد ستر ہزار فرشتے طواف کر کے چلے جاتے ہیں اور پھر ان کی باری نہیں آتی۔ پھر یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس میں مصروف ومشغول رہتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ انسان کی عبادت واطاعت کا محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ صمد یعنی بے نیاز ہے۔ تو اللہ کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور اس کے ساتھ محبت کی جائے۔

ایمان کی حلاوت اور مٹھاس کے بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے۔ حلاوت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حلاوتِ حسی (۲) حلاوتِ معنوی

حسی حلاوت یہ ہے کہ آپ کوئی میٹھی چیز کھاتے ہیں تو آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ میں نے میٹھی چیز کھائی ہے اور معنوی حلاوت یہ ہے کہ آپ کوئی ایسا عمل کریں، جس کی وجہ سے آپ کو تلذذ اور لطف محسوس ہو، مثلاً جو لوگ نماز کے عادی اور پابند ہوتے ہیں، ان کو نماز پڑھنے میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ اور یہ تب ممکن ہے جب عمل میں اخلاص ہو۔ لہذا اگر کسی کے ساتھ محبت بھی کرنی ہو تو اللہ کی رضا کے لیے ہو، کسی مادی غرض اور مقصد کی وجہ سے نہ ہو۔ آج کل تو ساری محبتیں اغراض کی بنا پر ہوتی ہیں، یہاں تک کہ باپ اور بیٹے کی محبت بھی خودغرضی سے خالی نہیں ہے۔ تو ایک بات یہ ہوئی کہ اگر کسی سے محبت ہو تو وہ بھی صرف اللہ کی رضا کی خاطر، تاکہ ایمان کی حلاوت اور مٹھاس محسوس ہو۔

دوسری چیز:

دوسری چیز اللہ اور رسول کی محبت تمام چیزوں سے زیادہ ہو۔ دنیا کی جتنی چیزیں ہیں، ان تمام چیزوں میں سب سے زیادہ محبت اللہ اور اس کے رسول سے ہو۔

تیسری چیز:

تیسری چیز یہ ہے کہ جب اللہ نے کفر سے نجات دی تو جس طرح آگ میں چلے جانے کو ناپسند

کرتا ہے، اس طرح دوبارہ کفر کی طرف چلے جانے کو بھی ناپسند کرتا ہو۔ یہ تیسری چیز ہوگئی۔ تو یہ تین باتیں جس میں پائی جائیں تو اس کو ایمان کی حلاوت اور مٹھاس اللہ نصیب فرمائیں گے۔ نیز حسی حلاوت کے بارے میں علما نے لکھا ہے کہ جو اللہ کے بہت قریب ہوتے ہیں، ان کو حسی مٹھاس بھی ملتی ہے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ اللہ سے محبت ہو، پہلی چیز ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اس کے رسول کے لیے خیر خواہی ہو۔ آپ ﷺ کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ جو دین آپ لے کر آئے ہیں، اس دین کی نصرت کرنا، (کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ان تنصروا اللہ ینصرکم﴾ (محمد) (اگر اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا) آپ ﷺ پر ایمان لانا، کیونکہ یہ ایمان کے اجزا میں سے ہے، اس لیے کہ وہ شخص مسلمان نہیں ہوسکتا جو قرآن کو مانتا ہو، لیکن احادیث یا رسول کا منکر ہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں، قرآن کے سوا کسی اور چیز کو نہیں مانتے اور وجہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ احادیث دوسو یا دوسو پچاس سال بعد لکھی گئی ہیں، لیکن یہ بات ذہن میں رکھیں: ﴿وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی﴾ (النجم) کہ جتنی احادیث ہیں، وہ بھی وحی کی ایک قسم ہے۔ نیز احادیثِ مبارکہ کا انکار قرآن کے انکار کو مستلزم ہے، اس لیے کہ قرآن کا کتاب اللہ ہونا بھی حدیث سے معلوم ہوا۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ منکر حدیث مسلمان نہیں ہے۔ جو شخص حدیث نہیں مانتا، وہ قرآن کو بھی نہیں مانتا، کیونکہ ﴿ما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا﴾ (الحشر:۷) (رسول جو چیز تمہیں دیدیں، اسے لے لو اور جس سے تمہیں منع کریں، اس سے منع ہوجاؤ)۔

تو آپ ﷺ کے اقوال، افعال، صفات اور تقریرات کے مطابق زندگی گزارنا، اس کی پرچار اور تبلیغ کرنا اور اس پر عمل کرنا؛ آپ ﷺ کے ساتھ خیر خواہی ہے۔ نیز آپ ﷺ کے ساتھ محبت کرنا بھی آپ کے ساتھ خیر خواہی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

"لایومن أحدکم حتی أکون أحب الیہ من والدہ وولدہ والناس أجمعین". (بخاری)

ترجمہ: جب تک میں تمام لوگوں سے یہاں تک کہ اپنے والدین اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں، اس وقت تک کوئی کامل مومن بن ہی نہیں سکتا۔

کیونکہ تکمیل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت ہر ایک سے زیادہ ہو۔

شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے اس حدیث "لا یؤمن أحدکم" کے ضمن میں لکھا ہے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں: (۱) طبعی (۲) عقلی

طبعی محبت ہر ایک کو اپنی اولاد اور والدین کے ساتھ ہوتی ہے، اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ لیکن عقلی محبت اللہ کے نبی سے ہونی چاہیے اور اس پر مواخذہ بھی ہوگا، کیونکہ اولاد اور والدین کی وجہ سے دین کو چھوڑ دینا گوارا نہیں۔

شیخ الحدیثؒ نے اس کی مثال دی ہے کہ ایک مریض ہے، اس کے لیے ڈاکٹر ایک دوا تجویز کرتا ہے، اب دیکھو! دوا کوئی شوق سے استعمال نہیں کرتا، تو مریض کی طبیعت یہ نہیں چاہتی کہ دوائی پی لوں، لیکن سوچتا ہے کہ طبیعت تو نہیں چاہتی، لیکن عقل کا تقاضا یہ ہے کہ میں یہ دوا پی لوں، کیونکہ اگر یہ دوا پیوں گا تو صحتیاب ہو جاؤں گا، لیکن اگر اس کا استعمال نہ کروں تو بیماری اور بڑھ جائے گی۔ تو طبعی محبت اگر چہ اپنی اولاد سے ہے، لیکن عقل کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں کامیابی کا دار و مدار نبی ﷺ سے محبت کرنے پر ہے۔ تو اگر چہ طبعی محبت اولاد اور والدین کے ساتھ ہو، لیکن محبت عقلی آپ ﷺ سے ہونی چاہیے۔

تو عرض کر رہا تھا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے اللہ کے لیے، اللہ کے رسول کے لیے، اللہ کی کتاب کے لیے، مسلمانوں کے حکمران، علما، مجتہدین کے لیے اور عام مومنین کے لیے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

لطیفہ

ایک لطیفہ منقول ہے کہ ایک شخص کسی بیمار کی عیادت کو گیا اور وہاں جم کر بیٹھ گیا۔ بیمار بے چارہ پریشان تھا، جب اس نے دیکھا کہ یہ شخص کسی طرح اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتا تو اس نے کہا: ''آنے جانے والوں کی کثرت نے ہمیں پریشان کر دیا ہے۔'' لیکن وہ بندۂ خدا اب بھی نہ سمجھا، بولا: ''آپ فرمائیے تو اٹھ کر دروازہ بند کروں؟'' بیمار نے عاجز آ کر کہا: ''ہاں! لیکن باہر سے۔'' ملا علی قاری یہ واقعات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ البتہ اگر آدمی کو یقین ہو کہ میرے زیادہ بیٹھنے سے بیمار خوش ہوگا تو مضائقہ نہیں۔'' (تراشے، مفتی محمد تقی عثمانی، ص: 61)

﴿دارالافتاء﴾

دارالافتاء

مفتی حمید اللہ جان

0333-9133080

اپنے مسائل کا جواب پوچھنے کے لیے آپ ماہنامہ ندائے حسن کے ڈاک پتے یا ای میل پر سوال بھیج سکتے ہیں۔
سوال پوچھنے میں یہ خیال رکھیں کہ وہ مفید اور قابل اشاعت ہونے کے ساتھ ساتھ مسلکی طور پر اختلافی نہ ہو۔

متبنّٰی (لے پالک بیٹے) کا حکم

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کوئی ماں باپ اپنی اولاد کسی دوسرے کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس کی ولدیت تبدیل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

شرعی نقطہ نظر سے اگر کسی کی اولاد نہ ہو اور وہ کسی دوسرے کا بچہ پرورش اور تربیت کی غرض سے لینا چاہے تو صاحب اولاد کے لیے اپنی اولاد کو دینے اور دوسرے کے لیے اس کا لینا شرعاً جائز ہے، بشرط یہ کہ اس کے ساتھ حقیقی بیٹے جیسا معاملہ نہ کیا جائے اور حقیقی باپ کے بجائے اس کی نسبت کفالت کرنے والے کی طرف نہ کی جائے، لیکن اگر کسی جگہ ان شروط میں کوتاہی سے کام لیا جاتا ہو، حقیقی باپ کے علاوہ کفالت کرنے والے کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہو یا اس کے ساتھ اپنی حقیقی اولاد کی طرح برتاؤ کیا جاتا ہو تو پھر ایسی صورت میں کسی بچے کو لے پالک (متبنّٰی) بنانا جائز نہیں، شریعت اسلام نے اس کی سختی سے تردید کی ہے اور ایسا کرنے سے منع کیا ہے، کیوں کہ ایسا کرنے کی صورت میں بہت سے ایسے مسائل جنم لیتے ہیں، جو شریعت کی نظر میں ناجائز اور حرام ہوتے ہیں۔

لہذا عام طور پر اگر دیکھا جائے تو لے پالک بنانے میں لوگ ان شرائط کا لحاظ نہیں رکھتے، جس کے

نتیجے میں وہ بہت سارے غیرشرعی اُمورمیں مبتلاہوتے ہیں،اس لیے لے پالک بنانے سے بہرحال احتراز کرنا چاہیے۔

جہاں تک ولدیت کی تبدیلی کا مسئلہ ہے تو یہ علی الاطلاق ناجائز اورحرام ہے،قرآن کریم میں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے،جب کہ احادیث میں ایسا کرنے پر سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

والدليل على ذلك:

"عن عبدالله بن عمرو قال: قال رسول اللهﷺ: من ادعى إلى غير أبيه لم يرح رائحة الجنة وإن ريحها ليوجد من مسيرة خمس مائة عام."(سنن ابن ماجه:رقم الحديث:١١٦٢)

"الثالث: ان اطلاق الأبوة والبنوة لايجوز إلافى النسب،بخلاف الأخوة فان اطلاقها كمايجوز فى النسب يجوز فى غيره من الأسباب والعلائق الدينية والدنيوية،ولذلك لايجوز أن يقول الرجل لولد غيره: ابنى،وكذا أن يقول الرجل لغيرابيه: أبى، فقد نهى الله سبحانه وتعالىٰ عن دعاء غيرأبيه إبنه بالبنوة فى هذه الآية:﴿أدعوهم لآبائهم﴾وروى الائمة البخارى ومسلم والترمذى أن ابن عمر رضى الله عنهما قال: ماكنا ندعو زيدبن حارثة إلازيد بن محمد حتى نزلت:﴿ادعوهم لآبائهم هواقسط عند الله﴾وحرم رسول اللهﷺ دعاء غيرابيه بالأب فقال: من ادعى الى غيرابيه وهويعلم انه غيرأبيه فالجنة عليه حرام . (أحكام القرآن للتهانوى:١٩٢/٣)

"فلايثبت بالتبنى شىء من أحكام البنوة من الإرث وحرمة النكاح وغيرذلك."(تفسيرمظهرى:٧/٢٩٢)

"المتبنّى لايلحق بالأبناء فى الأحكام ان الدعى والمتبنى لايلحق فى الاحكام بالابن فلايستحق الميراث ولايرث عنه المدعى....."(احكام القرآن للتهانوى:٣/٠٩٢)

﴿تذکرۂ اکابرینِ ما﴾

ملک وملّت کا اندوہناک سانحہ

مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ کی رحلت

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم
استاد حدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

حمد وستائش اس ذات کے لیے ہے، جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود وسلام اس کے پیغمبر پر، جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

صدر دارالعلوم کراچی مفتی اعظم حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب قدس اللہ سرہ اپنے بیشمار متعلقین واحباب اور ملک وبیرون ملک، علمی ودینی حلقوں کو سوگوار چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئے۔ إنا للّٰه وإنا إليه راجعون ، إنّ للّٰه ما أخذ وله ما أعطى و كل شيء عنده بأجل مسمى وإنا بفراقك يا سيدنا لمحزونون ولا نقول الا بما يرضىٰ ربنا ، برد اللّٰه مضجعه وأكرم مثواه .

اہلِ علم ودانش میں ایسی شخصیات بہت کم ہوتی ہیں، جو اپنے وہبی اور کسبی کمالات سے بلندیوں پر پہنچ جاتی ہیں اور جن کے مساعی ومحاسن ہر ایک کو گرویدہ بنا لیتے ہیں اور جن کی زندگی کے شب وروز بلند وبالا مقاصد کے محور سے سرمو انحراف نہیں کرتے۔ صدر دارالعلوم کراچی رحمہ اللہ ایسی ہی نابغۂ روزگار شخصیات میں سے ایک تھے، وہ علمی ودینی حلقوں کے سرخیل اور امتِ مسلمہ کا قیمتی اثاثہ تھے۔ اپنی سیرت وسلوک سے ہر ایک کے لیے شفقت بھری ٹھنڈی اور راحت بخش چھاؤں تھے، ان کے علم، دانش، ورع وتقویٰ، علمی وانتظامی معاملات میں ان کی دوراندیشی، دقیقہ رسی، تعلیمی اور تعمیری منصوبہ جات، ان کی بلند حوصلگی، پہاڑ کی طرح راہِ حق میں ان کی استقامت اور نظم وضبط میں ان کی بالغ نظری، ان کے وہ منفرد اور نمایاں اوصاف تھے، جن کی خوشبو کی مہک سے ہر ایک سرشار ہوجاتا تھا۔ تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف اور نظم وضبط کے علاوہ وہ میدانِ خطابت کے بھی شہسوار تھے۔ اپنے پرسوز، مؤثر اور بلیغ اسلوبِ بیان سے حاضرین کے دلوں میں راہ نکالتے تھے۔ وہ بصیرت وفراست سے سرشار، دیدہ ور اور نبض شناس شیخِ طریقت بھی تھے، جو اپنے متوسلین کے لیے اصلاحِ اعمال واخلاق کے تیر

بہدف ایمانی نسخہ جات تجویز کرتے تھے۔حضرت قدس اللہ سرہ خلوت نشین اور رونق محفل بھی ،طلبہ ومدرسین کا اجتماع ہو،عید، جمعہ اور دیگر مواقع میں عوام الناس سے تخاطب ہو، کوئی علمی ،فقہی موضوع زیر بحث ہو، عزیز واقارب کی بیٹھک ہو، یا وطن عزیز کی سیاست اور اس مملکتِ خداداد سے متعلق غور طلب کوئی معاملہ ہو، ہر جگہ ان کی بصیرت افروز گفتگو دل ودماغ کے دریچے کھولتی اور فکر ونظر کے افق روشن ہوتے۔ عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں سے متعلق کوئی ناخوشگوار خبر سنتے تو ان کی بے چینی ، بے قراری بہت سی خوابیدہ طبیعتوں کو مقدور بھر جدوجہد کی راہ پر گامزن کرتی ، وہ اپنے معمولات اور نظم اوقات کی پابندی میں خلل نہیں آنے دیتے تھے ، دارالعلوم اور اس کے شعبہ جات کا انہوں نے مثالی نظم قائم فرمایا تھا، یہاں کے بندوبست سے متعلق انہوں نے ۳۰/شعبہ جات قائم فرمائے تھے اور ہر شعبہ سے متعلق دقیق وعمیق معاملات ومعلومات کا ان کو حیرت انگیز حد تک استحضار رہتا تھا۔

یہ وہ امور ہیں، جن میں ہر ایک مستقل تصنیف کا عنوان بن سکتا ہے، ان تمام تر منصبی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ وہ ملک وبیرون ملک اپنے عزیز واقارب واحباب ومتعلقین کے حالات سے بھی آگاہ رہتے تھے ،جبکہ ملک بھر کے اہل علم اور اربابِ مدارس کا بھی ان سے رابطہ رہتا تھا، ان کی دل داری کے لیے سفر کر کے ان کے پروگراموں میں شرکت فرماتے ، دارالعلوم کے فضلا سے ان کا تعلق والد اور اولاد جیسا تھا، وہ بسا اوقات نامساعد حالات کے باوجود ان کی مشکلات ومسائل کے حل میں امکانی حد تک ان سے تعاون فرماتے ،حضرت اقدس نوراللہ مرقدہ دعوت وتبلیغ اور اصلاح وتربیت کی غرض سے دو درجن سے زیادہ مسلم وغیر مسلم ممالک میں .....جو ایشیا، افریقہ، شمالی وجنوبی امریکہ اور یورپ کے مختلف براعظموں میں واقع ہیں.....بار بار گئے، جہاں ان ممالک کی مسلم آبادی ان کے علم وفضل سے فیضیاب ہوتی رہی۔

حضرت صدر صاحبؒ مختلف ادوار میں وطن عزیز کے متعدد ریاستی اور غیر ریاستی اداروں میں بھی اپنے علم ودانش کی بنا پر مؤثر خدمات انجام دیتے رہے ہیں ،حضرتؒ نے دارالعلوم کراچی میں ۶۵ سال تک نہایت مشفق اور مربی استاد کی طرح مسند درس کی زینت بنے رہنے میں اپنے دیگر بھاری بھرکم ملکی وغیر ملکی ذمہ داریوں کے باوجود اس وقت تک کوئی کمی نہیں آنے دی ، جب تک کہ مختلف جسمانی عوارض سے وہ صاحبِ فراش نہیں ہوگئے ، راقم الحروف کو بھی باضابطہ ان کے تلمذ کا طالب علمانہ شرف حاصل رہا ہے، حضرتؒ جب مروجہ

علوم وفنون کی تکمیل کر کے دارالعلوم کراچی سے فارغ التحصیل ہوئے تو اگلے سال ۱۹۶۰ء سے ہی اپنی تدریسی زندگی کا آغاز فرمایا، درجہ ثانیہ کی اس جماعت کا ایک خوشہ چین یہ بندہ بھی رہا اور بحمداللہ تسلسل کے ساتھ دورۂ حدیث تک ضابطہ کا طالب علمانہ تعلق جاری وساری رہا، جبکہ بعد میں بھی یہ بندہ عاجز ان کی ہمہ جہتی سرپرستی ،رہنمائی اوران کی مشفقانہ توجہات کا ان کی مدتِ حیات تک، جب تک وہ بستر علالت کے اسیر نہیں ہوئے تھے، مرہونِ منت رہا، اب اس شجر پر بہار کی سایۂ عاطفت سے ہم سب محروم ہوگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

لیکن اس حقیقت کو کیوں کر نظر انداز کیا جاسکتا ہے کہ موت وزیست اس جہان بود وباش کی ناقابلِ تغیر خاصیت ہے، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد اسی لمحے واپسی کا سفر شروع ہوجاتا ہے، ہم اپنی اپنی عمر کے ماہ وسال گنتے ہیں، وہ دراصل ترقی پذیر گنتی ہے بلکہ معکوس اعداد، ڈاؤن کاؤنٹنگ ہے، کہ آنے والے کے پاس مدتِ عمر کا جو ساٹھ، ستر یا اَسی سال کا ذخیرہ ہے، وہ گذرتے ماہ وسال کے ساتھ زیرو (صفر) ہوجاتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے دانا وبینا انسان نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا ہے، انسانوں کو سرگرمِ عمل دیکھ کر ہمیں بالعموم اس حقیقت کا استحضار نہیں ہوتا، لیکن یہ اسی طرح کی کھلی حقیقت ہے، جس طرح طلوعِ شمس کے بعد شام کو اس کا زیرِ افق جا کر غروب ہوجانا یقینی ہے، ہمیں یہ ہدایت بھی ہے کہ آمد کے بعد اس روانگی کو یاد رکھو اور زندگی کی شب وروز زیادہ سے زیادہ کارآمد اور قیمتی بناؤ، کس قدر خوش نصیب ہوتے ہیں، وہ جن کی زندگی بھی مبارک گذری ہو اور جن کی روانگی بھی مبارک ہو، رب کریم ہر بندۂ مومن اس سعادت سے سرفراز فرمائے، آمین۔

حضرتؒ اپنی حیاتِ مستعار کے آخری دوسالوں میں مختلف عوارض کی وجہ سے صاحبِ فراش رہے، ایسے اوقات بھی آئے کہ مسلسل غُنودگی کی کیفیت ہوجاتی تھی، وفات سے آدھ گھنٹہ پہلے ان کی طبیعت میں معمول کی بشاشت آگئی تھی، اپنے تیمارداروں سے انہوں نے گفتگو بھی کی اور عیادت کے لیے آنے والے ایک صاحب کی ضیافت واکرام کی طرف بھی توجہ دلائی، لیکن کچھ لمحوں میں حرکتِ قلب کی کارکردگی دکھانے والے مانیٹر کی ریڈنگ کم ہوتی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے مانیٹر زیرو (o) پر آگیا، معالجین دوڑ کر آئے، جائزہ لیا اور پھر یہ المناک اطلاع دی کہ حضرت اب ہمارے درمیان نہیں ہیں۔

۲۳/ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ (۱۸/نومبر ۲۰۲۲م) شب شنبہ تقریباً ۸ بجے وہ ہمیشہ کے لیے اس جہانِ

فانی سے رخصت ہوگئے، بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے نمازِ جنازہ دوشنبہ کے دن صبح ۹ بجے ادا کی گئی، جنازے کے لیے دارالعلوم کا وسیع احاطہ کم پڑ گیا تھا، کراچی کے طول وعرض کے علاوہ ملک بھر کے دور دراز علاقوں سے بھی اہل محبت پہنچ گئے تھے، جبکہ بیرون ملک سے بھی متعدد عقیدت مند شریک نماز تھے۔

۱۳۵۵ھ کو دارالعلوم دیوبند کے مفتی اکبر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کے دولت خانے واقع قصبۂ دیوبند میں جس گوہر نایاب نے آنکھیں کھولی تھی، تقریباً ۸۹ سال کی بامقصد شب وروز گزار کر اب وہ وہاں جا چکے ہیں، جہاں سے کسی کی واپسی نہیں ہوتی۔

رب کریم ان کو اپنے مقربین کی صف اول میں رفعت وبلندیوں کا مقام رفیع عطا فرمائے، ان کے نسبی اور نسبتی لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے اور ان کے فیض کو تا ابد قائم ودائم رکھے۔

اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ ۔ آمین یارب العالمین !

(بشکریہ ماہنامہ: البلاغ)

اعمال کے ذریعے فتنوں سے بچو !

عن أبي هريرة قال : قال رسول الله ﷺ : بادروا بالأعمال فتنا كقطع الليل المظلم يصبح الرجل مؤمنا ويمسي كافرا ويمسي مؤمنا ويصبح كافرا يبيع دينه بعرض من الدنيا. (مسلم ، مشكوة المصابيح ، كتاب الفتن)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اعمال کے ذریعے اُن فتنوں سے سبقت لے جاؤ جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح سیاہ ہوں گے۔ (ان فتنوں کے دوران) ایک شخص صبح کو مؤمن ہوگا اور رات کو کافر ہوگا، شام کو مؤمن ہوگا اور صبح کو کافر ہوگا۔ وہ اپنے دین کو دنیا کے معمولی ساز وسامان کے بدلے بیچنے والا ہوگا۔

﴿بزمِ طلبہ﴾

اُستاد ہمیشہ اُستاد ہوتا ہے

عبداللہ حیات

کہا جاتا ہے کہ پرانے زمانے میں تلوار بازی کے ایک ماہر استاد تھے، تلوار بازی کے اس فن میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ان کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ دور دراز علاقوں سے لوگ اُس سے تلوار سیکھنے کے لیے آتے تھے۔ اپنا نام تو ان کا شمس الحق تھا مگر پورے علاقہ میں ''شمسو استاد'' کے نام سے مشہور تھے۔ محمود جس کا تعلق ایک غریب خاندان سے تھا، اسے بھی تلوار بازی سے حد درجہ لگاؤ تھا۔ بچپن میں لکڑی کے تلوار سے کھیلتا تھا، اب تو وہ بھرپور نوجوان بن چکا تھا۔

چنانچہ جیسے ہی اس کی کانوں میں ''شمسو استاد'' کے نام کے چرچے پڑنے لگے، تب سے اس فکر میں رہنے لگا کہ کیسے شمسو استاد کے پاس جایا جائے؟ ایک دن اس کی مراد بھر آئی، چنانچہ ایک قافلہ جو میل پور کی طرف جا رہا تھا۔ شاید یہ بتانا ہم بھول گئے تھے کہ استاد کا تعلق بھی میل پور گاؤں سے تھا۔ قافلہ کے بارے میں سنا تھا کہ محمود جو نہ جانے کب سے اس موقع کی تلاش میں تھا، فوراً قافلے کے ساتھ شامل ہوا اور ایک مہینہ کے طویل سفر کے بعد استاد کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے تلوار سیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ یوں تو ان کے بہت سارے شاگرد تھے، لیکن نجانے محمود میں کیا بات تھی کہ جیسے ہی استاد کی نگاہ اس پر پڑی، فوراً ان کی آنکھیں چمک اُٹھیں اور ان کی جہاندیدہ آنکھوں میں محمود کے اندر چھپی ہوئی صلاحیت کو پہچان لیا۔ چنانچہ اگلے دن محمود کی تربیت شروع ہوگئی۔ ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ محمود سارے شاگردوں پر سبقت لے گیا۔ اس کی تلوار ٹکرانے کی آواز آہستہ آہستہ پورے علاقہ میں پھیل گئی۔

میل پور علاقے کی ایک خاص تہوار یہ تھی کہ سال میں تلوار بازی کا ایک میلہ ہوتا، جس میں دوسرے علاقوں کے ماہر تلوار باز بھی حصہ لیتے تھے۔ اس سال جو مقابلہ ہونا تھا، اس کے لیے محمود کا نام استاد نے تجویز کیا، جس کے بارے میں پہلے ہی سے سب کو یقین تھا کہ اس کی کتاب میں ہارنے کا نام نہیں اور حقیقت بھی یہی تھی۔ محمود نے مقابلہ اپنے نام کرلیا۔ دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہوتے گئے، یہاں تک کہ پھر سال پورا ہوا اور مقابلے کی گھڑی آ گئی۔ اُستاد نے بغیر کسی سوچ و بچار کے محمود کو مقابلے کے لیے چن لیا اور ایک مرتبہ

پھر محمود نے میدان مار لیا یوں تین چار سال پے در پے محمود نے کئی مقابلے جیت لیے۔

محمود اب ماہر تلوار باز بن چکا تھا، اس لیے اپنے اُستاد سے جانے کی اجازت طلب کی، استاد کی آنکھوں میں آنسوں آ گئے اور اپنے چہیتے شاگرد کو جانے کی اجازت دی۔محمود نے بھی اپنے علاقے میں جا کر اسی ہنر کو اپنا ذریعۂ معاش بنانے کا فیصلہ کیا اور گاؤں میں نوجوانوں کو تلوار کے ہنر سکھانے لگا، کچھ ہی عرصہ ہوا کہ محمود کی شہرت بھی دور دور تک پھیل گئی۔

سیانے کہتے ہیں کہ شہرت اور جاہ انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔محمود کے ساتھ بھی ایسا ہوا، شہرت اور ترقی نے اسے غرور میں مبتلا کر دیا۔ایک دن نجانے اس کی جی میں کیا آیا کہ اپنے استاد کو تلوار بازی کے مقابلے کے لیے دعوت نامہ بھیجا۔استاد کے پاس جب یہ دعوت نامہ پہنچا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے، مگر بزرگ کہتے ہیں "کہ استاد استاد ہوتا ہے"۔ استاد نے شاگرد کے مقابلے کی دعوت کو قبول کیا۔مقابلے کا اعلان کیا گیا۔سارے لوگ اس دلچسپ مقابلے کے منتظر تھے، جو استاد اور شاگرد کے مابین ہونے جا رہا تھا۔بہت کم لوگ جانتے تھے کہ محمود شمسو استاد کا شاگرد ہے۔خیر مقابلہ کی تیاری شروع ہوئی۔استاد نے اپنے کاریگروں کو حکم دیا کہ معمول سے ہٹ کر لمبی تلوار بنائی جائے۔محمود کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو اس نے بھی اپنے کاریگروں کو حکم دیا کہ ایک لمبی تلوار بنائی جائے۔آخر کار مقابلے کی گھڑی آ پہنچی تو دونوں حریف میدان میں اترے۔تماشائیوں کی نظریں میدان پر جم گئیں۔مقابلے کے لیے مخصوص نقارہ بجایا گیا۔لوگ مقابلے کے انتظار میں تھے، جبکہ محمود اپنی جگہ ساکت کھڑا تھا۔لوگوں نے غور سے دیکھا تو استاد کی تلوار محمود کی شہ رگ پر رکھی ہوئی تھی۔سارے لوگ حیران تھے کہ یہ کیا ہو گیا، مقابلہ شروع ہونے سے پہلے ختم بھی ہو چکا تھا۔

دراصل استاد نے لمبی تلوار بنانے کا حکم دیا تھا مگر مقابلے کے لیے اپنی نیام میں ایک چھوٹی سی تلوار ڈال کر لایا تھا، جیسے ہی مقابلے کا اعلان ہوا، فوراً وہ تلوار نکال کر شاگرد کی شہ رگ پہ رکھ لی۔شاگرد کی آنکھیں بھی کھل گئیں۔فوراً استاد کے قدموں میں گر پڑا اور رو کر معافی مانگ لی۔استاد نے شاگرد کو سینے سے لگایا۔سارے تماشائیوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔عجیب مقابلہ ہوا جیتنے والا تو جیت گیا یہاں تو ہارنے والا بھی جیت گیا۔ استاد جو شاید شاگرد کو ایک چیز سکھانا بھول گئے تھے، آج وہ بھی سکھا دی۔شاگرد کو احساس ہو گیا کہ استاد ہمیشہ استاد ہوتا ہے۔استاد ہی انسان کو سب کچھ بناتا ہے۔انسان کو ہمیشہ استاد ہی کا احترام کرنا چاہیے، نجانے کب استاد کی منہ سے دعا نکلے اور انسان کو کامیابی سے ہمکنار کر دے۔

﴿اخبار جامعہ﴾

جامعہ کے شب و روز

مولانا امجد علی حقانی

عصری اداروں کی طرح دینی اداروں کا بھی اپنا ایک نصاب اور تعلیمی ڈھانچہ ہوتا ہے، چنانچہ دینی اداروں کا تعلیمی سال اسلامی مہینوں کے مطابق شوال المکرّم میں شروع ہوتا ہے اور شعبان المعظم کے پہلے ہفتے میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ ہر تعلیمی سال کے اختتام پر مدارس مختلف قسم کی روحانی تقریبات اور مجالس کا انعقاد کرتے ہیں، جن میں ختم بخاری شریف، ختم مشکوۃ شریف، دستار بندی اور یومِ سرپرستان وغیرہ شامل ہیں۔ جامعہ حسن چارسدہ میں بھی 30 جنوری 2023ء کو ختم بخاری و دستار بندی کے حوالے سے عظیم الشان پروگرام کا انعقاد کیا گیا تھا، جس کے مہمانِ خصوصی شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب (مہتمم جامعہ صدیقیہ کراچی) تھے۔ پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت کے بعد مختلف مقامی علماء کرام نے وقت کی مناسبت سے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے بعد جامعہ کے امتحانات میں نمایاں کارکردگی دکھانے والے طلبہ کے حوصلہ افزائی کے لیے ان میں انعامات تقسیم کیے گئے۔

ختم بخاری :

تقسیمِ انعامات کے بعد مہمان خصوصی کے استقبال کے لیے جامعہ کے طالب علم قاری جنید نے استقبالیہ نظم پڑھا اور پھر جامعہ کے متخصص اور مایہ ناز قاری مولانا ظہور الحسن نے اپنی خوبصورت آواز میں کلام پاک کی تلاوت کی۔ تلاوتِ کلام پاک کے بعد بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دینے کے لیے مہمان خصوصی شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل دامت برکاتہم العالیہ کو دعوت دی گئی، حضرت نے عجیب انداز میں بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا کہ ہر ہر لفظ (سند اور متن) کی وضاحت کی، جس سے ایک طرف تمام سامعین لطف اندوز ہوئے اور دوسری طرف اس سے آپ کی علمیت اور ذہانت چھلک رہی تھی۔ درس حدیث تقریباً پونے گھنٹہ جاری تھا، آخر میں طلبہ کو احادیث مبارکہ کی اجازت بھی

مرحمت فرمائی۔

دستار بندی:

درسِ حدیث کے بعد شعبہ حفظ، دورۂ حدیث اور درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کے فضلائے کرام کی دستار بندی مہمان خصوصی شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل دامت برکاتہم، شیخ الحدیث حضرت مولانا اورنگزیب صاحب دامت برکاتہم العالیہ، جامعہ ہذا کے مہتمم مفتی حمید اللہ جان صاحب اور دیگر اساتذۂ حدیث کے بابرکت ہاتھوں سے کی گئی۔

بعد ازاں حضرت مہتمم صاحب نے آنے والے مہمانوں، متعلقین جامعہ اور سرپرستان حضرات کا جامعہ آمد پر شکریہ ادا کیا۔

انتقال پر ملال:

شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان شہیدؒ کے بھتیجے اور جامعہ ہذا کے استاد حضرت مولانا عیدی امین صاحب کی والدہ محترمہ بقضائے الٰہی فوت ہوئی۔ مرحومہ کی نمازِ جنازہ بروز ہفتہ 11 فروری 2023ء کو بوقت 3 بجے علاقہ پڑانگ کے بڑے قبرستان میں ادا کی گئی۔ جنازے میں علاقے کے جید علماء اور دیگر معتبر اشخاص نے شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔ آمین!

پیر طریقت حضرت مولانا محب اللہ دامت برکاتہم العالیہ کی مدرسہ آمد:

بروزِ پیر، بتاریخ ۱۳/فروری ۲۰۲۳ء شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمہ اللہ کے خلیفہ مُجاز پیر طریقت حضرت مولانا محبّ اللہ دامت برکاتہم العالیہ اپنے ساتھیوں سمیت جامعہ حسن چارسدہ تشریف لائے تھے۔ حضرت نے تزکیہ نفس اور اس کی فضائل پر سیر حاصل گفتگو کر کے سامعین کو اپنی اہم اور مفید نصائح سے نوازا۔ بیان کے بعد فارغ التحصیل طلبہ کرام کی دستار پر دست شفقت رکھا۔ پھر مختصر تواضع کے بعد حضرت واپس تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں برکت عطا فرمائے اور ان کی فیوض و برکات سے ہمیں محظوظ و مالا مال فرمائے۔ آمین!